



شہر بخاری

ہستی کا لہجہ

مکمل ناول

"بہنا جب آپ کی ای کو کوئی اعتراض نہیں تو مجھے کیسے ہو سکتا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولے اور پھر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

آج ای نے کوٹے بنائے تھے، یعنی سب سی کی پسندیدہ ڈش۔

سب سی تعریفیں کرتے ہوئے کھا رہے تھے۔

"لیکن آپ ایک مسئلہ اور بھی تو ہے نا۔"

"یقیناً گھنٹ کے لیے پیسے چاہیے ہوں گے۔"

"کیا بابا؟" وہ کھیا کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو بیٹا یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ گھر سے تصدیق

"آپا میری دوست کی برتھ ڈے ہے مجھے بھی انوائٹ کیا ہے اس نے، اگر آپ اجازت دیں تو پہلی جانوں؟" رات کے کھانے پر جب یہ چھوٹا سا خاندان اکٹھا بیٹھا تھا۔ اس نے پوچھا تھا۔

آپا جواب دینے کے بجائے ای کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں جانتی ہوں رعنا کی اس دوست کو۔ اچھی لڑکی ہے، ایک دوبار اپنی والدہ کے ساتھ ہمارے گھر آچکی ہے اور ان کا گھر بھی ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔" ای نے تفصیلی جواب دیا۔

فریڈ مینے کی شروع تاریخ میں پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں

چاہیں نہیں؟

ابا میں اور میری فریڈ جانے مل کر گفت دیر کے اس لیے سو سے دیتے۔

کھانے کے بعد اس نے برتن سینے اور کچن میں آکر دھونے لگی ساتھ ہی چائے بھی چوڑھے پر رکھ دی کہ اتنی اور ابارات کو کھانے کے بعد چائے ضرور لیتے تھے۔

دوبہ اور چھوٹا ظفر کچن میں جا کر کھینے لگے۔ موسم بدل رہا تھا۔ اب پہلے کی طرح گرمی نہیں رہی تھی اور شاہیں تو بہت خوشگوار ہو گئی تھیں۔ اسی ابا بھی چھوٹے سے آٹن میں کرسیاں ڈالے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں کے لیے چائے لے کر آتی تھیں۔ سینئر فیملی پر رکھی اور خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔

”رہنا بیٹا! میں اور تمہاری ابا بھی بات کر رہے تھے موسم بدل رہا ہے۔ اگر ایک بارش ہوگی تو سردی چانک آجائے گی۔ کسی روز بازار چلتے ہیں۔ کچھ سردیوں کے کپڑوں کی شاہنگ بھی کر لیں۔“

”آپ اور ابا چلے جائیں نا! مجھے بازار کے رش سے بڑی الجھن ہوتی ہے۔“

”تم ساتھ چلتی اور نہ تمہیں کسی کپڑے کا رنگ پسند نہیں آئے گا کسی کے رشت پر اعتراض ہو گا۔“ اسی کے کہنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اسے واقعی بازار جاتے ہوئے الجھن ہوتی تھی۔ ملل کلاس طبقے کی شاہنگ کے خصوصی بازار جہاں شدید رش ہوتا تھا۔ آوارہ مزاج لڑکے جان بوجھ کر لڑکیوں سے ٹکراتے تھے۔

اس کی سترہ سالہ زندگی ایک مخصوص خوش باش پیار بھرے ماحول میں گزری تھی ابا اور وہ چھوٹے بن بھائی۔

ابا کامیاب دوسرے شہر میں تھا جہاں سے کبھی کبھار خال اپنے بیٹے ابا کے ساتھ دو چار روز کے لیے آجایا کرتی تھیں اور ابا کے سوتیلے بہن بھائی تو بہت سے تھے لیکن زندگی کے پہلے بارہ برس اس نے کسی کی صورت نہیں دیکھی پھر اچانک ایک روز جب وہ اسکول سے آئی تو ان کے ساتھ سے ذرا تنگ روم میں بڑی ہی آن جان والی شخصیت موجود تھی اور ابا ان کی آمد پر کتنے خوش تھے اس کا اندازہ ابا کے چہرے اور لہجے سے چھوٹی بے پناہ خوشی سے لگایا جاسکتا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ یہ تمہارے ماما جان ہوتے

ہیں تو نیچے لیے قیمتی لباس پہنے وہ کہیں سے ابا کے بھائی نہیں لگ رہے تھے۔

”اوہ تو تمہارے گھر کے باہر جو گاڑی کھڑی ہے وہ یقیناً تمہارا ابا کی ہوگی۔“ وہ ان سے بھجک تو رہی تھی لیکن انہیں دیکھنا اسے اچھا بھی لگ رہا تھا۔

ابا نے بہت پر تکلف کھانا بنایا تھا جس کی انہوں نے بہت تعریف کی اور پھر وہ چلے گئے۔

اور پھر پورے تین سال بعد جب وہ میزک کا اسٹوڈنٹ دے کر فارغ ہوئی تھی تب ان کی آمد ہوئی پہلے کی طرح صرف دو کھینے کے لیے ہی آئے اور چلے گئے۔

”تمہارا ابا تو آپ سے پیار نہیں ہے ابا اسی لیے تو اتنی دیر کے بعد آتے ہیں۔“

”وہ بہت مصروف آدمی ہیں بیٹا اور پھر وہ میری طرح رشتوں کو ترسے ہوئے تھوڑا ہی ہیں۔ ان کی تین بہنیں بھی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا بہت ملنا ہے۔“

”اوہ ابا! آپ کی بہنیں بھی ہیں آپ نے کبھی بتایا کہیں نہیں؟“ وہ پُرخوش ہوئی تھی۔

”ہاں بیٹا! مجھے تمہیں یہ سب بتانا چاہیے تھا۔ اصل میں تمہارے یہ تباہ اور ان کی تین بہنیں خیرے سوتیلے بہن بھائی ہیں اور انہیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

تمہارے تباہ کا نام علیم الدین ہے اور یہ کامیاب بزنس مین ہیں اسی طرح تینوں بہنیں بھی کھاتے پیتے کھانوں میں پیاری ہوتی ہیں۔ اصل میں میری دو سری والدہ بہت جائیداد والی تھیں تو ان کی جائیداد ان کی اولاد میں تقسیم ہوئی اور کچھ علیم بھائی خود بھی سمجھ دار آدمی ہیں کاروبار شروع کیا اور اب بے حد کامیابی سے اسے چلا رہے ہیں۔“

”تمہارا ابا کے بچے بھی ہوں گے؟“

”ہاں ایک بیٹا ہے ان کا۔“

”صرف ایک؟“

ابا اس کے انداز پر نہیں بڑے پھر پورے بہت سال پہلے بھابھی کی ڈیڑھ ہو گئی تھی بھائی جان نے دو سری شادی چند سال پہلے ہی کی ہے اور وہ سری بیوی سے ان کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ صرف بڑی بھابھی سے ایک بیٹا ہے۔

”میرا نام ہے اس کا۔“

”ابا! بھی تمہارا ابا نے آپ کو اپنے ہی انوائٹ نہیں کیا؟“ کچھ سوچ کر کل رہنا نے ابا کو سوال کیا تھا۔

اس سوال پر ابا کے منگرتے ہونٹ ساکت ہو گئے۔ انہوں نے نفی میں سر ہلایا پھر کچھ دیر بعد بولے۔ ”وہ بڑے آدمی ہیں بیٹا اور کتنے سال تو انہیں میں یاد ہی نہیں آیا۔ اب جو آکر ملے ہیں تو ہی ان کی سہانی ہے۔“

”لوگوں کے اتنے رشتہ دار ہوتے ہیں مگر میں کی چھٹیوں میں کوئی ماموں کے ہاں جاتا ہے کسی کے بچا اور پچیسو چھٹیوں میں آکر رہتے ہیں۔ ہماری تو بس ایک خالہ ہیں۔ ان کے ہاں بھی ہم اس لیے نہیں جاتے کہ ابا کتنی ہیں ان کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں ہم جائیں گے تو ان پر بوجھ پڑے گا۔ وہ بھی بس کبھی کبھار صرف لیا ز بھائی کو لے کر آجاتی ہیں حالانکہ ان کی دو بیٹیاں بھی ہیں۔“

”رہنا! تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو! کچن میں برتن دھونے والے رکھے ہیں نا چاؤ دھو کر رکھو۔“

ابا کے کہنے پر اسے اٹھنا پڑا لیکن وہ جاننے لگی تھی اس کے کچن میں آجائے کے بعد بھی ابا کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں جو موضوع وہ چھڑ کر آتی تھی۔

اور پھر وہ سال بعد جب وہ کان کی اسٹوڈنٹ تھی اور پہلے سے کچھ کچھ دار بھی ہو چکی تھی۔ کل سے ابا بھی کچھ میں داخل ہوتے ہی پھوٹی بہن دونیہ سے بتایا تھا۔

”تمہارا ابا آئے ہیں اور آج تو تمہاری جان بھی ان کے ساتھ ہیں۔“

”آرے واقعی؟“ وہ جلدی سے اپنے اور دونیہ کے مشترکہ کمرے میں گئی۔ بیگ اور چادر اتار کر رکھی اور الماری کھول کر کوئی اچھے سے کپڑے دیکھنے لگی۔

جب وہ لباس تبدیل کر کے فریش چہرے کے ساتھ بڑے کمرے میں آئی تو وہ دونوں سامنے ہی بیٹھے تھے۔ تباہ جان کی بارعب پرستانی کے باعث وہ تو سلام کے علاوہ اور کوئی بات کر ہی نہ پائی تھی اور آج ان کے برابر میں تھوڑے کم قد والی ساتھی رنگت اور نرم نقوش کی مالک جو خاتون بیٹھی تھی یقیناً ”بھئی تباہ جان تھیں۔“ تباہا سے تو ان کا کوئی جوڑی نہیں تھا لیکن اگر تباہا اسے الگ ان کی شخصیت کو دیکھا جائے تو وہ نرم مسکراہٹ والی اور اچھے دل کی مالک ایسی خاتون معلوم ہوئی تھیں جن سے بات کرنا بالکل بھی مشکل نہیں تھا۔ وہ اچھے کڑی محبت سے ملیں۔

تباہا نے اس کے سلام کے جواب میں اچھا بھاری بھر کم ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور نہ کوئی بات نہیں کی۔

ابا بھی گھر نہیں آئے تھے تباہا کی ساری توجہ بی بی کی جانب تھی جبکہ تباہا کی اماں دھیمی آواز میں اس سے باتیں کرنے لگی تھیں۔

”بھابھی کچن میں آگئی تھی ہوئی ہیں جا کر ہاتھ دھو۔“

تباہا نے بڑی سنجیدگی سے ماما کی بات کو حکم دیا تھا۔

”نہیں نہیں! آپ بیٹھے ماما اماں میں جاتی ہوں۔“ وہ اچھے کھڑی ہوئی۔ کچن میں آئی تو بیچ چلا کر کرنے کو تو کوئی کام ہے ہی نہیں۔ وہ لوگ اتنی ساری کھانے بننے کی چیزیں بھی تولائے تھے ابا تو صرف برتن سیٹ کرنے لگی تھیں ابا کو فون کر دیا تھا وہ بھی بس آئے ہی والے تھے۔

”اچھا کچھ اٹھالائے ہیں بھائی اور بھابھی جان اب یہ پھل فروٹ ایک طرف وہ ہم سب کے لیے کپڑے بھی لے کر آئے ہیں۔“

”ماما! ابا تو بہت اچھے ہیں ابا اسے حد نرم ٹو مہرین کی۔“

”ہاں واقعی میرا نہیں خیال تھا بھائی صاحب جیسے بڑے کی بیگم ایسی سادہ سی ہوں گی! سچ جب فون پر تمہارے تباہا نے بتایا کہ بیگم کے ساتھ آ رہے ہیں تو میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔“

ابھی ماما بیٹی میں باتیں ہو رہی تھیں کہ شاید بیگم (تباہا)

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

نشر ہر تمنا

مہاراجہ خٹوارک

قیمت --- 500/- روپے

نگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37- اردو بازار، کراچی۔

جان بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔
 "آپ جی کرنا چاہتے ہیں کہ میں اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، مگر یہ تو میری زندگی ہے۔ اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

کچھ اور طرح کا ہے۔ عظیم ان کے ہاں دست کم جاتے ہیں اور ان سے زیادہ بے تکلف بھی نہیں ہیں۔
 "مگر وہ تو میری زندگی ہے۔ اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

لیکن سرکاری کام اتنی جلدی کہاں ہو سکتے ہیں۔
 "مگر وہ تو میری زندگی ہے۔ اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

ایک خدشہ ہو رہا تھا کہ وہ اسے لے آئے تو اسے لے آئے۔
 "مگر وہ تو میری زندگی ہے۔ اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"
 "تو آپ کی زندگی بچانے کے لیے اسے لے آؤں؟"
 "نہیں، میں اسے لے آؤں تو میری زندگی ختم ہو جائے گی۔"

ہولی تھیں، جانتی تھیں۔ یہ سب شکایت جلاؤں اور لڑکیوں نے اس سے کی ہے، حالانکہ انہوں نے اس روز کھایا بھی ٹھیک ٹھاک اور گھر بھی لے کر گئی تھیں۔

"بی بی صاحبہ! کوئی ملنے والے آئے ہیں۔ لیا زہام بتا رہے ہیں، ساتھ میں ایک خاتون بھی ہیں، کہہ رہے ہیں، ظفر میاں کی والدہ سے ملنا ہے۔"

"لیا زہام! ہوں گے۔" رونا ایک دم ہوش سے بولی تھی تو عدیل نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ "جلاؤ نا انہیں، بلکہ اہی ہم انہیں ادھر اپنے پورشن میں لے چلتے ہیں۔"

"نہیں، ادھر ہی جلاؤ۔ یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے، میں چاہے پر کچھ انتظام بھی کرواتی ہوں۔" شاہدہ بیگم کے کہنے پر لیا زہام اور انیلا بائی ادھر ہی آگئے، سارے پر غلوں، جرے، رونا کو لگا اس وقت تو اسے ان کی بہت ضرورت تھی۔ وہ

انیلا بائی کے گلے لگ گئی۔ لیا زہام کو سلام کیا۔ خالہ اور گھر کے باقی افراد کا حال پوچھنے لگی۔

"آج پہلی بار اسے اتنی آواز میں بولتے سنا ہے۔" عدیل نے بے اختیار سوچا تھا۔ لیا زہام اور انیلا سے وہ بھی اچھے طریقے سے ملتا، پھر کہیں جاتا تھا، اس لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ

لوگ ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے رہے، پھر انیلا بولی۔

"انہا کمرہ تو دکھاؤ۔ میں دیکھوں تو سہی، کیسے سیٹ کیا ہے، کتنی ٹھیک ہو تم۔"

"کھڑو تو میں بالکل نہیں ہوں، بس ابھی تک صرف پردہ کی طرف ہی توجہ ہے، ٹائیسٹک کی چھٹیوں کے بعد اہی کے ساتھ کھانا بنانے میں لگی تھی۔ کچھ سیکھ بھی لیا ہے باقی اور تو ابھی کچھ نہیں آتا۔"

"بڑھنے کا شوق ہے، کیا بننا چاہتی ہو؟"

"یہ تو نہیں سوچا، لیکن میں اپنے پیروں پہ کھڑے ہونا چاہتی ہوں۔ میرا بھی نام ہونا چاہیے، میری پہچان میرے اچھے کام سے ہونی چاہیے، میں مضبوط لڑکی بننا چاہتی ہوں، مجھے یہ بھی پتا ہے ہمارے معاشرے میں یہ آسان نہیں ہے۔"

"ارے رونا! انیلا نے اک دم چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، تم اتنی بڑی بڑی باتیں کب سے کرنے لگیں۔"

"میں نے اپنے گھر میں عورت کی عزت دیکھی ہے، بیوی کے روپ میں بھی اور بیٹی کے روپ میں بھی، لیکن جب میں نے اپنے گھر سے باہر نظر ڈالا تو وہاں ایسا نہیں ہے

تب میں نے سوچا مجھے ہر جگہ اپنی عزت کروانی ہے اور اس کے لیے تعلیم حاصل کرنا بھی تو ضروری ہے۔"

"دنیا بہت خالم ہے رونا! میری دعا ہے تمہیں زندگی میں ہمیشہ اچھے لوگ ملیں۔" انیلا نے دل سے کہا تھا۔

آصفہ بیگم اکثر اب خودی بچن دیکھنے لگی تھیں۔ آج بھی انیلا اور لیا زہام کی آمد پر وہ خودی بچن میں لگ گئیں اور اک احساس تلے دب کر انہوں نے اپنے رشتے داروں کے لیے زیادہ اہتمام بھی نہیں کیا۔ بچن کا سامان سبزی پٹاؤ اور

سلاد لیکن ہاتھ میں ڈاکٹھ تھا۔ سب اچھا بنا تھا۔ کھانے کے بعد جب وہ لوگ رخصت ہو رہے تھے۔ اسی وقت عدیل گھر میں داخل ہوا تھا۔

"یہ لیا زہام کب سے آئے ہیں؟"

"پتا نہیں۔" وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی کہ سردی بہت زیادہ تھی۔ اسے روہ کر انیلا اور لیا زہام کا خیال آ رہا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے بیٹا؟" عدیل کو دیکھ کر شاہدہ بیگم پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں میں ساجدہ پھپھو کی طرف چلا گیا تھا۔ کھانا بھی وہیں کھایا اور ایک نئی قمیض بھی پہنے ہوئے ہوں، صاحبہ! وہ صاحبہ عقیل صاحبہ کی بات تقریباً سنی کر چکی ہیں۔ منقریب منقریب کی تقریب سعید متوقع ہے۔"

پتا نہیں وہ کیوں ہنس رہا تھا۔

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، کہاں بچی کی عقیل کی بات، میرا تو خیال تھا وہ جلاؤں کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کو لیں گی۔ آخر کو بھانجیاں ہیں۔" بھانجیاں ہیں تو یہ کہاں لکھا ہے کہ بھانجیوں کے ساتھ دشمنی کرو، عقیل کو تو جلاؤں پھپھو اچھی طرح جانتی ہیں، بھلا دیتیں وہ شمع یا

رشنا میں سے کسی کا رشتہ اور تو اور لڑکیاں تو ایسی بات بری قیامت اٹھا لیتیں۔ اب بھی کوئی عقل کا اندھا عی ہو گا، جس نے بیٹی ایک بوجھ سمجھ کر انہیں دے دی ہے۔

"بیٹی کو بوجھ کون سمجھتا ہے، بس فیروں میں سو عیب چھپ جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ ہر حال سب بہت خوش تھے۔ روزنہ باقی اور ان کے میاں صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور یہ بھی ایک الگ ہی لطیفہ ہیں۔ روزنہ بائی کے ساتھ تو ذرا نہیں بچتے، میں نے تو جتنا

سے کہہ دیا تم خیر مناؤ۔ اب تمہاری باری ہے۔ کہیں پھپھو روزنہ بائی کے میاں جیسا ہیں ہی نہ تمہارے لیے اٹھا لائیں۔"

"تمہارے لبا ابھی تک گھر نہیں آئے۔ نام خاصا ہو رہا ہے۔ نمبر تو ملاؤ ان کا۔" اس بار انہوں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔

"اوہو! اب اس عمر میں لبا نے کہاں جاتا ہے۔ کیوں فکر کرتی ہیں؟ آجائیں گے۔"

"میرا یہ مطلب تمہاری تھا میں تو۔"

"آجائیں گے، مت پریشان ہوں اور ابھی لبا سے عقل کے رشتے والی بات کا تذکرہ مت کیجئے گا۔ سوچیں گے۔ بہن نے بتایا تک نہیں، جبکہ ساجدہ پھپھو دو ایک روز میں

مٹھائی کے ساتھ آئے گا اور رکھتی ہیں۔"

"اگر تمہارے لبا ایسا سوچیں گے تو غلط نہ ہو گا، ہر ہر قدم پر بہنوں کا خیال رکھا ہے اور اب جب بیٹے کا رشتہ کرنے کا وقت آیا تو کسی سے مشورہ تک نہیں مانگا۔ بات بچی کر کے مٹھائی دینے آرہے ہیں۔"

"بس، ایک تو آپ عورتوں کی باتیں کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال ہی لیتی ہیں، رنجشیں بڑھانے میں

موجب نہیں۔" وہ اچھا خاصا خفا ہوا اور لاقن سے اور جاتی میٹھیاں ملنے کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"باپ کی پروا نہیں، جس پھپھو بھی کی مملکت ہر حال میں کرتی ہے۔ عیسیم نے کیا نہیں کیا، انہوں اور ان کے بچوں کے لیے جائیداد میں سے شرعی حصہ سب کو ملا تھا۔ لیکن

دونوں بی بی بہنوں کا دربار کے شوق میں سب گھوٹا بیٹھے۔ بہنوں پر بھی آئی تو عیسیم نے ہر طرح سے ہمیشہ ان کی مدد کی ہے اور اب تک کرتے آرہے ہیں، لیکن اب عقل بھی ملازم ہو گیا ہے اور چھوٹا بھی کمانے لگا ہے تو ساجدہ نے سختی

آسانی سے بھائی کو بھلا دیا اور یہ عیسیم کا لاڈلا اکوٹا بیٹا اسے پروای نہیں کہ باپ یہ سن کر کیا محسوس کرے گا۔ روزنہ کی شادی پر سارا خرچ عیسیم نے اٹھایا۔ حالانکہ وہ اس رشتہ کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن بہن، بہنوں سے زیادہ اظہار نہیں کیا کہ ان کی بیٹی ہے اس کے لیے اچھا ہی سوچا ہو گا۔"

"پھپھو نے بھابھی آپ کیوں اپنی طبیعت خراب کرتی ہیں۔"

"افسوس ہوتا ہے آصفہ! ان دونوں بہنوں کی خود غرضی

پر اور قصہ بھی آتا ہے۔" انہوں نے آست سے سر ہلایا تھا۔

انہوں نے واقعی عظیم الدین سے بالکل ذکر نہیں کیا۔ انہیں تب ہی خبر ہوئی جب چھٹی کے روز دن کے بارہ بجے ساجدہ، میاں اور بچوں کے ساتھ مٹھائی لے کر چلی آئیں۔ عدیل نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور بیٹا اس کے ساتھ ساتھ چلتی اس کے برابر میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

ساجدہ بھائی کو سلام کرنے کے بعد سختی دیر ان سے لپٹی کھڑی رہیں۔

"امی! آپ اگر بیٹھ جائیں۔" روزنہ نے ہاتھ پکڑا۔

"بیٹھے ہو، مجھے اپنے والدین کی خوشبو محسوس کرنے دو، بھائی کے پاس آکر اس چھٹائی کا احساس ہوتا ہے، جو ماں باپ کی زندگی میں محسوس کیا کرتے تھے۔" وہ جذباتی بیان

دماغ میں کمال رکھتی تھیں۔ ایسی گفتگو کے بعد جب عقل کی بات پتی ہونے کی اطلاع دی جاتی تو بھلا عظیم صاحب کوئی اعتراض کرنے کے قابل رہ جاتے بھلا؟

"اچھا تو یہ ہیں وہ بے سارا اپنے جنہیں آپ نے اپنے گھر میں رکھا ہے۔" روزنہ کے میاں نے ان بیٹیوں پر نظر ڈالی، پھر رونا پر نظرس ہمارا فرمایا۔

"کیا مطلب، بھئی یہ خون ہیں میرا۔ میرے بھائی کی اولاد میرے بنتے۔" لیا ابا غصہ ضبط نہیں کر سکے تھے۔

"میرے بھائی! تمہارا دل ہی بہت بڑا ہے۔" ساجدہ نے داد دی، پھر مٹھائی کا ڈبہ کھولنے لگیں۔ اپنے ہاتھ سے پیارے بھائی کو کھلایا، پھر عدیل کی جانب دیکھا۔

"ادھر آنا پھپھو کی جان تو بھی میرے ہاتھ سے کھلا۔" بیٹی کا کھڑا ہونے پیار سے کھانے کے بعد چیشائی بھی جو م لی۔ ان لوگوں کا تو ڈگری کیا شاہدہ بیگم بھی یاد نہیں آئیں۔

"بس بھائی تمہاری دعاؤں سے اللہ نے اچھی جگہ بات بتادی ہے، لڑکے کے نام مکان بھی ہے اور بینک میں بھی کتے ہیں کلنی رقم ہے، اس کے نام پر۔"

"ہاں، اور نہ لڑکی تو یہ بھی اچھی ہے۔" عقل نے بیٹا کے کان میں سرگوشی کی، جسے عدیل نے بھی سنا اور پہلو بدلی کر رہ گیا۔

"یہ والی ہونہ ایسی کون سی خوبی ہے، اس میں ذرا اتنا تو۔" بیٹا نے منہ بتایا۔

بائیں کے تو یہ محسوس کریں گے۔

تقریب تو ساجدہ کے گھر میں ہونا تھی۔ لیکن ساری رونق جیسے اور حرات آتی تھی۔ جتنا اکثر عدیل کے ساتھ شاپنگ کرنے کے لیے چلی آتی۔ ساجدہ نے لڑکی کا جوڑا زور دے کر سامانِ عظیم تو بھی عدیل کے ساتھ جا کر خرید لیا۔ لیکن پھر پچھو کو اس پر بھی اعتراض ہونے لگا تو اس نے لیا تو فون کر دیا۔

”آپ پلیز آکر مجھے لے جائیں میں کچھ دن آپ کے گھر رہنا چاہتی ہوں۔“ جس وقت وہ ایاز کی بانٹیک پر بیٹھ کر اس کے گھر جا رہی تھی۔ اسی وقت عدیل بیٹا اور روزینہ کو لیے گھر میں داخل ہوا تھا۔

”کوہمارے ساتھ تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی یہ کون سا ہے اس کا جس کے ساتھ بیویں پر جا رہی ہے۔“ بیٹا نے کہا تو روزینہ بولی۔

”میری کھنتی مبینی ہے۔ یہ سب بھی توجہ حاصل کرنے کے بہانے ہوتے ہیں۔“

”میں بھی اتنی عمر نہیں ہے اس کی۔ سادہ سی لڑکی ہے۔“ عدیل بے ساختہ بول اٹھا۔

اور اس کے بعد گھنٹ بھر ان کا پچھو جاری رہا تھا۔

”رہنا کہاں گئی ہے؟“ ان کی باتوں کا اثر ہی تھا کہ وہ شاہدہ بیگم سے پوچھ رہا تھا۔

”اپنی خالہ کے ہاں گئی ہے چند روز کے بعد آجائے گی۔“

”کیوں ایسی کیا ضرورت پیش آئی؟“

”بھئی۔ جیسے یہ بتایا ہیں اسی طرح وہاں اس کی خالہ ہیں اور وہ بہت مانوس ہے۔ اس گھر سے اور جب آصف نے اجازت دی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں روکنے والے۔“

”ہاں ہم تو انوکھے چھپے ہیں کل کو کوئی مسئلہ ہوا تو پھر الزام کس کے سر آئے گا۔“

”کیسا مسئلہ؟“ وہ اس کے تیور دیکھ کر حیران تھیں۔

عدیل نے جواب نہیں دیا جا کر بیٹا اور روزینہ کے پاس بیٹھ گیا۔

رہنا کو تقریب میں تو شامل ہونا ہی تھا۔ اس لیے صرف دو روز کے بعد ہی آنا پڑا۔

تقریب کے دوران اندازہ ہوا جلاظہ اور ساجدہ پچھو کی لڑکیاں ایک دوسرے سے خاصی بیزار بلکہ خار کھاتی ہیں

اور تو اور رشنا اور شمع سنگی بہنیں ہو کر بھی روٹھتی روٹھتی ہی ہیں خاص کر عدیل کے معاملے میں وہ تینوں ایک دوسرے کو کوئی بھی رعایت دینے کے لیے بالکل تیار نہیں تھیں اور تینوں کو اس سے کیا دشمنی ہے اسے دیکھتے ہی تیوری کیوں چڑھ جاتی ہیں یہ بات وہ بالکل سمجھ نہیں پاتی تھی۔ تقریب کے روز جب وہ ہلکی سی ایمر ایڈری سے سجائے رنگ کا سوٹ پہن کر تیار ہو کر سامنے آئی تھی تو عدیل نے

یہ سافٹ ہسٹ اچھی لگ رہی ہو کما تھا۔ وہ عمر کے اس دور سے گزر رہی تھی جہاں دامن بچاتے بچاتے بھی جل جایا کرتے ہیں اور دل ذرا ذرا سی بات پر دھڑک اٹھتا ہے۔ عدیل کوئی نظر انداز کر دینے والی ہستی تو نہیں تھا لیکن وہ اپنے اور اس کے درمیان جو فرق تھا وہ اس سے بخوبی واقف تھی۔ اور وہ بتایا لہا کی شکر گزار تھی۔ شکر گزار بیٹھ سر جھکا کر رہتا ہے لیکن عدیل کی آنکھوں میں اس کے لیے میں ایسا کچھ تھا جو آج اس کا دل دھڑکا گیا اور وہ ہتھیلیوں میں لی لیے اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔ لیکن کہاں چھپ سکتی تھی وہ دونیہ کے ساتھ ذرا الگ تھلک بیٹھی تھی۔

”باقی ایہ وحید بھائی بار بار آپ کی جانب اشارہ کر کے اپنے دوستوں سے کچھ کہہ رہے ہیں۔“ وہ بچے کے کہنے پر اس نے سر اٹھایا۔ واقعی وہ چند اپنے جیسے دوستوں میں گھڑا اسی کو دیکھ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ وہاں سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔ (تقریب کا انتظام مکمل محسن میں شامیانے لگا کر کیا گیا تھا۔) پچھو ساجدہ کے گھر کے نقشے سے وہ واقف نہیں تھی۔ اسے پاس محسوس ہو رہی تھی۔ آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھولا اور اس کے قدم جہاں تھے وہیں جم گئے۔ عدیل اور شمع ایک دوسرے کے قاتل اعتراض حد تک قریب اخلاقی اور مذہبی اقدار کو ہمال کر گئے۔

وہ اندھیرے میں گئی وہ سرے وہ جس عالم میں تھے انہیں کہاں ہوش تھا۔ اس کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا اور وہ بے جان قدموں کے ساتھ واپس پلٹ آئی۔ دل جیسے ٹپکی میں ”کیا تھا“ اسے سانس لینے میں بھی وقت ہو رہی تھی بار بار سر کو جھٹکتی۔ لیکن وہ منظر وہاں سے ہٹا ہی نہیں تھا۔

خوبصورت چہروں والے یہ مکروہ کردار کے مالک لوگ اور وہ تو اسی کے گھر میں رہتی ہے۔

”رہنا کیا ہوا ہے تمہیں؟ طبیعت خراب ہو رہی

ہے؟“ شاہدہ بیگم قریب چلی آئیں۔

”نالی ای!“ وہ ان سے پلٹ گئی۔

”ارے تم تو کتاب رہی ہو پھلواندر چل کر بیٹو۔“

”نہیں نہیں۔ میں اندر نہیں جاؤں گی پلیز مجھے یہیں بیٹھا رہنے دوں۔“

وہ انہیں کیا بتاتی تھیں؟ کوا بھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر وہ غیر شعوری طور پر اپنے گرد حفاظتی حصار بنا رہی تھی اور پھر یہ کوشش وہ بیٹھ کرنے لگی تھیں سر پر اور اس کے جسم پر ہر وقت ہسٹ اچھی طرح لپٹا رکھتی دیکھنے لگا وہ لاؤنچ میں ایسے وقت میں آنے سے گریز کرتی جب عدیل وہاں موجود ہوتا۔ وہ لیکن میں مراد کے ساتھ کام کرواتی رہتی یا پھر اپنے کمرے میں جا کر پڑھتی رہتی اس کا ہی چاہتا تھا وقت پر لگا کر اڑ جائے وہ جلد از جلد تعلیم مکمل کر کے اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے۔

”کیا بن رہا ہے؟“ وہ لیکن میں کھڑی چاند چن رہی تھی۔ پتا ہی نہیں چلا کہ عدیل آگیا تو ڈر گئی۔

”کن خیالوں میں تم تھیں؟“ اس کے ڈرنے پر وہ جس پڑا تھا۔ رہنا آہستہ سے اس کے قریب سے ہٹ گئی اور چالوں کا تعال بھی سلیپ سے اٹھایا۔

”کہاں رہتی ہو کھاتی ہی نہیں دیتیں۔“ اس نے نوٹس نہیں لیا اس کے کھڑے کا اور سلاو کی پلیٹ سے نمائز اٹھا کر کھانے لگا۔

”لوہری ہوتی ہوں پڑھتی رہتی ہوں۔“ وہ پھر چالوں کی جانب متوجہ ہوئی۔

”کوئی مشکل تو نہیں پیش آ رہی تم میری سلیپ لے سکتی ہو کھانا بنانے میں نہیں اسٹڈی میں۔“

”جی۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم ہنستی بولتی نہیں ہو؟“ پھر جیسے یاد آیا بولا۔ ”نہیں نہیں ہنستی بولتی تو ہوں میں پوچھنا چاہتا تھا ہم سے ہنسا ہونا منع ہے کیا؟“

عدیل نے ایک دم سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔ عورت کا گھبرانا کتنا مود کو اس کی موداگی کا احساس دلاتا ہے۔ عدیل نے بھی مسکراتے لیوں کے ساتھ گہری سانس لیتے ہوئے یہ منظر دیکھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا اس کا ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔

"بہت بھولی بہت سونٹ ہو۔" بھی بھی تو بہت حیرت ہوتی ہے مجھے تم پر۔"

"باجاؤ تو یہ تو میرا دلچسپ پلیر ایسے مت کریں۔" اس میں اس وقت اتنی بہت نہیں تھی کہ اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھو سکتی۔

"ارے دوسے کیوں گلی ہوا اور اس کا ہاتھ اس کے معصوم گلوں سے ان چھوئے چہرے پر گرا۔" اس نے رعنا کے آنسو چھین لیے۔ اور اس روز شہر سواری کے موسم میں رہا نہیں تھی بار رعنا کے منہ دھوا۔ لیکن گندگی دوری نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہاتھ دھوئی ہاتھ اس روز رعنا میں رہا کے ساتھ رہا اور رعنا اپنے لگتی۔

ایک سال آخر ایک سال بہت ہی کیا۔ عدیل کسی کام کے ملنے میں باہر چلا اور اس کے جانے کے بعد رعنا کے سر سے جیسے ایک پرچہ اتر گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ لوگ پچھو دیں اور ان کی لڑکیوں کی نگاہ بھی برائے نام رہ گئی تھی۔ اس ایک سال نے رعنا کو بہت کچھ دیا جس میں سب سے اہم اس کا ہاتھ اور اسے باہر نکالنے میں انیلا رومی اور ایلا بھائی کا بہت ہاتھ تھا۔ وہ بھی ڈپنس میں حصہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ایلا بھائی نے نظر لگا کر دی اور رومی نے چار دی کوالی تھی۔ اسے سینکڑے پرائیڈ اور پھر تو من سوار ہو گئی تھی آگے ہی آگے بڑھتا جبکہ عورت کمزور نہیں ہے۔ رعنا کو جوع نہیں لینا تھے سو تب چاہے جیسے چاہے محبت کا جھانڈا ہے کہ استعمال کرے وہ آج بھی اس منہ کو نہیں بھولی تھی وہ منظر آج بھی اسے متغلب کرتا تھا اور اسے اپنی پچھو کی ریشیاں اتنی ہی ہوتی تھیں جتنا عدیل۔

پاپ کی دولت سے عاجز نہ آئے انھوں نے والا اپنی خودی کے گھنٹے میں سب کچھ کر گزرنے والا اسٹیج سوچ گا، ملک بچا عام سامرو۔ اس نے اپنے پاپ سے کچھ نہیں لیا۔ سوائے میوان و بہاوت کے انھیں گلوں کا گھنٹا دیا پین صور توں پر کمرہ تاڑ پیدا کر دیا ہے۔

وہ غیر فصلی مرکز میں بیٹھ چڑھ کر جھپٹتی تھی۔ جس نے اس کی شخصیت میں اعتماد پیدا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی قدریں کو بھی نہیں بھولی تھی۔ آیا اب کے سانسے حیرت مہر

دھڑلے ہو کر وہ نظر نہ کر سکتی تھی۔ مگر کے پاس سے اس نے بھی کی نہیں چاہا تھا کہ اسے بھی اپنے عورت ہونے پر افسوس یا شرمندگی نہیں ہوتی تھی۔ عروں واسے کچھ لڑکیاں سنی ہیں کہ عورت کو سوتے کتر رہتی ہیں۔

اب ایک سال بعد عدیل واپس کر رہا تھا۔ آیا اب اسے وہ خوش تھے بچہ اور ساجد کو بھی اطلاع دے دی گئی۔ وہ لوگ بھرا گئے۔

"اسے ہے برا بھی اس میں کچھ بکوا ہے۔ اسے عورت کے بعد میرا بچہ مگر نہ رہا ہے اور یہاں پر نہ کوئی خوشی نہ احترام مجھے ہی بتا دیا ہوا تھا میں مگر سے کچھ بکرا کر نے آئی۔" ساجد کی بات کا شاید حکیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ وہاں تھا شہر زخمی اور وجاہت میں تو مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ بار بار شہر اور شہر کے ساتھ باتیں کرناں کی باتوں پر ہوتا تھا۔ شہر، حکیم، میرا بچہ تو بالکل شہزادہ لگ رہا ہے۔" آیا اب بھی اس کی دہلیز پر ہے وہ خوش تھے اور اپنے معمول کے خلاف بہت ہنس رہے تھے۔

وہ اسے بتا رہا تھا کچھ ناگزیر روایات کی وہ رہا ہے۔ عدیل کا بھی شک تھا کہ وہ کتنی ہی خوش ہو رہی ہے۔

"کیسی ہو رانی؟" وہ جانے کے برتن سیٹ کر رہی تھی جب عدیل لیکن میں چلا آیا اور اس کے طرز متغلب پر۔

چونک گئی۔ بہت پار آئی تھی تم اور مجھے ایک بار بھی تھا پتا نہیں تم اب بھی کسی ہی حد سے میں اپنی شریکی کی لڑکی رہی ہوگی یا نہانے کی ہوگا؟ اور ہو گئی ہوگی۔ لیکن تم اب بھی وہی اور مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔

"اب نہیں عدیل بھائی میں چاہے لا رہی ہوں۔" پکار رہی تھی اس کے پاس کو چھپا کر اس نے سولت سے کہا تھا۔ "اے خیر وار" آنکھ بھائی مت کہنا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انکس دینے والے انداز میں کہا تھا۔ "کہیں نہ گئے ہو عدیل؟" یہ بھی کہیں جگہ ہے۔" شہر پر لٹی ہوئی اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر سواری لگا کر عدیل کو بل کر لے گئی۔

"کیا کر رہے تھے تم یہاں؟" "میں رعنا کے سوا کون ہے؟ تو میں ہی سے باتیں کر رہا تھا۔"

"ابھی کون سی خاص باتیں ہیں جو سب کے درمیان نہیں ہو سکتی تھیں۔" وہ جس طرح کہہ رہی تھی۔

"تم کتنی جلدی کرتی ہو؟" "کیسے دیکھتے ہی تلی ہوں" اب ابھی چکوا ہیں کچھ رہتے کارا رہے۔"

"کیا تم بہت دور مجھے یہ جاسوی بالکل پسند نہیں۔" وہ ایک مانتی بن گیا تھا۔

عدیل سے جانے کی بجائے شہر نے بھی رتن زخمی میں رکھے شہر انکسے تو وہ وہاں پر نظر گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا تم سے؟" شہر غصے سے جواب سے پوچھ رہی تھی۔

"کہہ رہا تھا ان میں انکس میں سے کون سی بہتر لگتی ہے؟"

"مجھ پر تم نے کیا کہا؟" وہ بے تلی سے بول۔

"ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔" اس نے لہجہ جھکا کر شہر کی جانب بکھرا کر سر ہٹ کر زخمی سے کہہ کر لڑی۔

جانے کے دوران شہر تو اور شہر کی دوسرے کے افسی رہی ابھی کسی کو پتہ نہیں تھا کہ ابھی اس کے ہاتھ سے

پہلیں سے لے کر گھر کے پتھر تک۔ پتھر بھی اس نے جلی کر۔

کھانسی لگ رہی تھی۔ اس کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔

وہ کے بعد جانے چکے ہیں گھر کا تو اس سے آگے وہ ساجد، پچھو نے نوٹ کیا تھا اور ساجد۔ بھی کہا تھا۔

"تم مجھے کو آ نہیں رہی تھی میں نے انکس سے کہنا۔ کچھ اور تو اپنے ہیں۔ کھول لی۔"

"ہیں، ابھی چاند بہت دیر میں ہم تمہارے لیے ہیں اور چچاں تو اپنے کچھ کپڑے لے کر تلی ہیں تمہیں۔" وہ روز اور جی کر رہی تھی۔

چونکہ کی چالاک پھر وہاں ساجد کس کر رہ گئیں۔

آگے دوسرے دنوں میں ساجد، پچھو نے کیا تھا۔ وہ عدیل کے لیے رعنا کو شہر چار دی تھیں یہاں اس خبر سے ان کی اور تلی کی کو میں میں چل گیا تھا وہاں وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اسے ان دونوں خواتین سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا۔ ان کی موجودگی میں وہ وحشت زدہ رہتی تھی اور عدیل۔ اسے سوچ کر ہی بھر جھری ی آتی۔

مگر آیا لانے یہ رشتہ قریب کر آیا تو کیا انی یا میں انکار

کر نہیں گی؟ مگر ان کے انکار سے پہلے عدیل نے اس رشتے میں ہزار لکھ کھو لیے۔

"میں تو خود بھی جانی نہیں ہوں۔" عدیل کو جانتا ہوں۔ کوئی پرستاشی نہیں ہے اس کی۔ میں انہوں نے دیکر رکھا ہے۔"

"رعنا تو اپنی زمین اور چار دی بھی ہے۔ ٹھیک ہے۔" ساجد نے اپنے کی محبت میں رعنا کو دھک دیا لیکن ہم اسے قبول نہیں کرتے۔"

یہ جواب آیا اب تھا اور اس کے دل سے سارے خوف مٹ گئے تھے۔ جہاں ساجد کو انکار سن کر بے حد سکی کا احساس ہوا تھا۔ وہیں عدیل بھی جواب ہاں میں ہٹنے کا یقین لے لیا تھا۔

"تم لوگوں نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا۔ تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟" مسلسل تلی ہونے پر اس نے ریشور اٹھا دیا تو اس کی آواز سن کر وہ برس پڑا تھا۔

"وہی ہے عدیل الماسوں نے رعنا کی بات ساجد غلام کے پاس نہ گئی کہ کتنی ہی کی ہے؟ بے سارا انکی ہے۔ اچھا تھا انکسے لگ جاتی۔" رعنا کے یہاں تلی ہوئی تھی اور اس نے اپنے کانوں سے اسے عدیل سے یہ کہتے سنا تھا۔

"وہیں تو انکار ہو گیا ہے تم کو تو تمہاری بہت عقل سے پتی کر رہا ہوں۔"

یہ سن کر وہ مجھے کا اعتماد کرنے لگی تھی اور عدیل میں رہا تھا۔

رعنا وہاں سے ہی پھر بہت کر رہی تھی۔ اگلی تھی۔

تب تک لاؤج میں نہیں گئی اب تک ان کی باتوں کی توازیں کرتی رہیں۔

"رعنا! آج شادی کر رہے ہو۔ تم بہت مزے کے چال ہو۔"

"ہنر مجھے رانی مت کہنا کریں۔ میرا نام رہا ہے۔ سب مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔"

"دوسرے لیکن میری تو رانی ہی ہو۔"

"لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ مجھے کو مزہ سخت ہانک رہی تھی۔

"یہ دیکھو۔ میں کیا لایا ہوں تمہارے لیے۔ پھر پڑا چھوٹا تو ہوئی رہتی ہے اور ہر کچھ۔" اس نے بے تکلفی

کی انتہا کرتے ہوئے اس کے گل پر ہاتھ رکھا اور چواچھا
 بابہ سوڑا۔ رشتہ کے تو تین دن میں گن گئی۔
 ”اب انیس لے جائیے اور آگے وہی رحمت مت
 کیجیے گا۔“

عمرل کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ
 کھڑا ہوا۔

”تیسریں میں اچھا نہیں لگتا؟“ تو مجھے پہلے بھی قند
 آج تم نے عین دلا دیا مگر فریجھے اس سے فرق نہیں پڑتا
 کہ تیسریں میں نہیں تو کون اچھا لگتا ہے۔ میں اتنا کافی ہے
 کہ میں تیسریں اپنے کار اور رکھا ہوں۔“
 ”میری مرضی کے خلاف ممکن نہیں۔“ انور کی عورت
 تو گر سامنے آگئی ہوئی تھی۔

”اب اچھا ہی“ وہ گل کر رہا تھا۔ رشتہ کے بڑا
 نہیں رہے تو ہاتھ اٹھا کر بالائی سے والا۔

”پلو رکھیں گے اور ہیں یہ تاج میں تمہیں اپنے
 ہاتھوں سے پناہ کا یاد رکھنا۔“

مواک کی خصوصیتوں بچے کی جی سحر میں نے جب
 سے مل کر رکھا۔ رحمت سے کہتی تھی۔ مری مری جی ہوں

”تو کچھ تیار ہونے میں زیادہ وقت لگاؤ۔“
 ”اور رات بے ضرورت ہی نہیں ہے۔ ابے چوتھے میکا ہے۔“

کی اور من آج کھانا میری پسند کا ہو گا۔“
 ”جی ہاں تمہیک سے آ رہا ہوں پلو۔“

”اگر دیکھ لیا اٹا میکا اب تمہیں ملتی ہے کہ بددیا
 گئے تھی جب۔“ مواکس تنہا کے جھوٹا ہار لگا

گیا تھا۔
 ”جی یہ نہیں کرنا اور بھی وہ سنی دست ہی لڑی ہیں کل

کر رہی ہیں۔“ ملے کو بے تاب ہیں۔ عورت نے خود کو اتنا
 اور ان کیوں کر لیا ہے اور یہ بھی دیکھی کیا کہ کر لیا ہے۔

میرا خد فرم کر میرے مایہ ز کیا آیا تھا۔ اسے اور ان کے
 بہت احسانات ہیں مگر مگر میں خود کو اور کیسے کا کتنی

ہوں۔ ایک بے کار خود پسند مہر کے ساتھ زندگی گزارنا
 تو بدلت خود ایک سزا ہے۔ میں اپنے لیے یہ سزا کیسے بھوج

کر لیں۔“ وہ سوچ سوچ کر اوردی گئی۔
 ○ ○ ○

عمرل جان کیا تھا وہ اس سے کترانے لگی ہے اور وہ لب

جان پر جو کر اس کے قریب آتا اور وہ معنی ہول ہول جاتا
 قندہ رختا غور سے دیکھ رہی ہوتی تھی۔ اسے یہی حل ہو چکا
 کہ وہ ان کے لیے غلام کے کھر چلی جائے۔ اسی سے
 بہانہ لے کر اپنا ہول کو فون کیا اور ایک میں ضرورت کی

چیزیں اور کپڑے رکھنے لگی۔
 اسی وقت عمرل کمرے میں آیا اور نصف دیکھ کے پاس

آکر بیٹھ گیا۔
 ”کیا سہل ہے جی کیا آپ لوگ مجھ سے یہ نہ کرنے لگے

تو۔“ تھری نہیں آتے تو اسے انداز تھا۔
 ”نہیں مڑا ہم تو رخصتی ہوتے ہیں۔ اسی کھر میں ہاں

بہت تم کھر میں کہی ہوتے ہو۔“
 ”مگر کی تیار ملی ہے۔ اسے ایک تیار کرتے دیکھا تو

پوچھ گیا۔
 ”اور ہاتھ دلاؤ کے لیے اپنی غلام کے ہاں جائے کو کہ

رہی ہے۔“
 ”نہیں خیر سے تو ہے؟“ وہ ایک دم بخود ہو گیا۔

”ہاں ہاں خدا کا فضل ہے۔ بس اس کا دل چاہ رہا تھا
 کہ وہ دیکھ لیں۔“ اسی کے دل لگا ہے اس کا۔“

”مگر وہی غلامی میں تو کس کے ساتھ ہی گزار کر تھا
 ہے۔“ اس نے ایک بات کے جواب میں کہا تھا۔

”وہ اس کی غلطی کہ وہ کچھ نہیں سمجھیں۔“
 ”پلو میں ذرا لب کرتا ہوں۔“ کچھ سوچی کر وہ کہہ دیا

تھا۔
 ”نہیں نہیں۔ میں علی جاؤں گی۔“

”ہاں بیٹا لایا کو فون کیا ہے اس نے بس آئی ہو گا۔“
 عمرل چپ چاپ اللہ کر کرتے سے چلا گیا۔

”شاید عمرل کو تسلا دیا گیا ہے ہاں جا کر رہنا پسند نہیں۔“
 ”اور یہ عمرل صاحبہ جو کچھ کہتے جاگتے ہیں۔ کیا

بہاری بخیر پسند کو کچھ کر کرتے ہیں۔ اسی جواب پر کھنکھ
 اٹتی زندگی گزارنے میں تو وہ تو ہم نہیں۔“

”کیا بات ہے رحمت تم کس طرح بول رہی ہو۔ کیا تسلا را
 عمرل کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“

”مجھے اس کا بے محتاطے میں ٹانگ اڑانا بالکل پسند
 نہیں۔ میں کیڑے جیو مل کر لوں۔ ایاز بھائی آتے ہی ہوں

گے۔“ وہ اس بحث کو چھوڑتے ہوئے کمرے سے اٹھ گئی مگر
 فک کر رہا تھا۔ عمرل کیا نہیں تھا۔ وہ انہوں کے باہر ہی

"وہ سنا جاوا اچھا ہے سب میں لیا ہے۔" وہ اس کے چہرے
 پر مسکرائی۔
 خاندان کے باہر بیٹھنے کی طرح کھڑی ہو کر اسے استقبال کیا۔
 رات یہ سب دیر تک چلتا رہا اور باقی رات کے سب رات
 تک خاندان کی باتوں کے لیے لڑائی ہو رہی تھی۔ وہ اس
 بلدی میں ان کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ یہی وہ سب تھا
 رہا اور ان کی باتوں میں کڑواہٹ تھی۔ وہ اسے لایا تھا۔ اسے بہت
 اچھے لگے۔ وہ اسے لایا تھا۔ اس کے ساتھ کافی سی سی۔ وہ اس
 پر بہت کمر دیا تھا کہ اس کی دوست کا گھر ان کی سی سی کا
 میں سوتا۔ وہ گاڑی پر آئی ہے۔ لہذا وہ بھی اس کے ساتھ
 آیا ہے۔ لیکن اس کی طبیعت ہی نہیں آتی۔ یہی وہ سب
 ہے۔ یہی وہ سب ہے۔ اس کا اظہار اس کی پرکھ کے
 میں کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔ اور اس میں سہیل کو
 کہہ دیا۔ وہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
 "رہنا آئی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔
 جلدی سے میرے ساتھ چلو۔"
 ماں کی باتوں کا اس کردار میں سے نہیں
 مٹی۔ اس نے کیے چلتی کی اجازت لی۔ اس کی طبیعت
 کے ساتھ باہر آکر اس کی گاڑی میں بیٹھی۔ یہی وہ سب
 رہا تھا۔ سارا رشتہ اس کی طرف تھا۔
 "اس کی طبیعت زیادہ گراؤ ہے؟"
 "ہو رہا" اس نے مختصراً کہا تھا۔ "کھا گیا۔ کھا گیا۔ یہ اس
 حادثہ کے خلاف تھا۔ کچھ دیر بعد اسے اس میں ہوا کہ
 باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے پوچھتے تھے۔
 "آئی آپس میں ہیں؟" اس نے ان کے سامنے
 رکھتے اور اس کے ہاتھوں کے ساتھ اسے اس کے ساتھ
 "یا اللہ میری ماں کو کچھ نہ ہو" اس نے کہا۔
 "وہ رو رہی ہیں اور ہمارے آس پاس چلتی رہی ہیں۔
 میرے محسوس ہیں۔ یہ اس کی اس میں ہوا کہ
 آپ اس کے ساتھ ہیں اور اس کے ساتھ ہوا کہ
 کسی کی اس کے ساتھ ہیں۔
 اس کی اس کے ساتھ ہیں۔
 ہو گئی۔
 "یہ سب یہ اس کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ
 سخت خوف زدہ ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہے۔
 سے آکر اور وہ۔
 "پاپا! تمہاری طبیعت بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

تک جی کر رہے تھے کہ کوئی نہیں ہے۔ پلو جلدی چلو۔
 "میں میں نہیں جاؤں گی۔" وہ نے اور چلانے
 لگی۔
 ہر مل نے ہاند نہیں چھوڑا۔ کھینچا ہوا عمارت کے تعمیر
 شدہ کھینچ میں سے ایک میں سے گیا یہاں تین اور کوئی
 کو دیکھ کر وہ توارے خوف کے رونا اور چلانے کی۔
 "آگے ہی کیا؟" ہر مل نے سن سے پوچھا۔
 جس پہنچے والے ہیں ابھی عاقب کا فون آیا تھا۔
 "میں اسٹو کر رہا ہوں۔"
 "مجھے کیا لگتا ہے؟" سسکے گی۔
 "جی جی۔۔۔ سمجھ میں نہیں آیا کیا ہوا ہوں؟"
 "پلیز ریم کر میرے حال پر کیا لگتا ہے میں نے
 تھرا؟"
 "ہاں۔ اتنی ہی اکثر تھی میرے جب تم لوگوں اتنی ہی
 بات پر ہی بکھڑے کو تیار ہو جاتی ہو تو اتنی کس بات پر ہو۔
 کس بات پر یہ یہ یہ کر رہی تھیں۔ میں سمجھتی ہو
 اپنی لوگات۔ نہیں۔ سناؤ۔ کی چیز ہو۔ سو کے میں کے
 سلطان میں سے سب سے اہم سلطان کار و محو۔ چار چار
 کر کے پیچیدہ سنا ہوں تھیں۔ اس سر کو پیش کے کے
 سلطان کو۔ لیکن سنی رکھو۔ یہ وہی کوئی اور نہیں
 ہے۔ تاج کوئی تھا یا یہ سنا۔ آگے ہی کیا؟"
 "تکسب لگا؟" اس نے بڑی دقت سے یہ لفظ لرا کیا۔
 "میں اس مرضی ہے نکال پر دیکھی راضی؟" وہ
 خفا سے چلا تھا پھر۔
 "تلاش کر رہا ہوں۔ تمیں اعتراض تھا؟ تم انکار کا
 ارادہ کیے تھیں؟ میں اسی لیے یہ قدم اٹھاتا ہوں۔ یہ
 نکال فقیر رہے گا۔ مگر میں اس کا ذکر نہیں کرنا گا۔ یہ تو
 میں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم میری بائیں او بائیں۔ انکار
 کر سکو۔ اپنی جب لڑا جائیں تب کر لیں گے اور سنا کر جا کر
 دلوں کرنے کی کو کشش صحت کرنا۔ شہوت کوئی نہیں ہے
 تھرا۔ ہاں۔ اگر دلوں کر لیں گی تو نقصان پہنچ کر لیں
 جو شہوتی سال دوڑہ سال کے بعد ہوتا ہے۔ وہ انور انور
 کے اور اگر انہوں نے نہ بھی کی تو ظلال دیتے۔ یہ لے میں
 اپنا حق تو ضرور وصول کروں گا۔ تمیں یہاں ہی کیا ہو گا۔
 میرے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔"
 وہ ہانک رہی تھیں۔
 "میں انکس کام نہیں کر رہا تھا۔ کب نکال ہو؟ اس نے

کلیں سائن کیے تھوہ ہوش نہیں تھا۔
 "مبارکہ ہو۔" اس نے مصطفیٰ کا ٹھکانہ دیکھ کر اس کے
 منہ میں ادا نکلتا ہوا لہجہ لگایا۔
 "کون ہے یہاں اور بات ہے اب تو چچ بھوکا ہوا ہے، لیکن
 وقت کا نصف چھ اور ہے، تمہیں کھانے کے گیت پر اترنا
 ہے۔"
 وہ اسے قہر سے کرکڑی تکھانا چاہتا تھا۔ لیکن باپنی جانب
 پڑھنے والے اس بات کو کہ کر جیسے اس کی ساری محسوس
 پیرا ہو گئیں۔ وہ خود اپنی جگہ سے اٹھی اور لڑائی ناگوں
 کے ساتھ کڑی میں آئیں۔ یہاں سے کھانے تک کا مصلہ
 ہر کھانے سے گھر تک کا مصلہ طے ہو رہا تھا۔ وہی جی وہی
 جاتی جی جاتی تھا قہقہہ لڑنے اور دھڑکنے کو تائے
 اس کے ساتھ کیا ہوا ہے لیکن وہ جانتی تھی کہ یہاں
 شخص اگر کھانا پھر اس کی زندگی کیا ہوگی۔ وہ تو اس نکلنے کا
 کوئی ثبوت اپنے پاس نہیں رکھتی۔ اس کے دل میں ہنسنے
 پرانے دہائی اور ایلن ہارڈی ہوتی تھیں۔ خالہ جان میں
 تھیں۔ ایاز جانی تو اس سے چار پانچ بیگے کے قریب ہی
 کھاتے تھے۔ گیسے میں منہ چھپا کر وہ خوب دہائی اور ساری
 پچھلی ہی میں دفن کر دیں۔ وہ ماں کے پاس جانا چاہتی
 تھی۔ لیکن یہ خیال کہ وہاں بھی وہی صورت حال ہوگی اس
 میں غور کیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر
 وہ بعد میں ہمارے آیا۔ ایاز چوس میں رہنے والے ڈاکٹر
 صاحب کو یاد آیا۔ انہیں نے وہاں کھانے کوئی۔ رات دس بجے
 تک اس کا بھار خاصا کم ہو چکا تھا۔ لیکن وہ وہی طرح
 کھانے لگتی رہی تھی۔
 گیت کی شکل بھی تھی اس وقت وہ سبھی کے گھر
 چلے گئے اور اسے بھون بھون کھانے کے کہہ رہے تھے ایاز
 گیت پر گرا۔ وہی جی ساتھ ساتھ وہ سب تو تاک
 سے آئے لیکن رات کو ان کا اس پر ایک بار پھر کچلی غاری
 بھرنے لگی تھی۔
 "چلو میں تمہیں لے آتا ہوں۔"
 اسے سست تیز رفتار رہا۔ آج کا دن رست کرنے
 کا عملی بار چھوڑ آئے گا۔ "خالد بھاری تھیں۔"
 "میں اسے آج ہی جاتا ہوں۔ مجھے اپنے آپ سے ہے۔"
 میں کیا ہاں سے خوب بات کر رہی ہوں، میں نہیں بتا رہی ہوں
 کہ وہی میں آتا نہیں چلا رہی۔ اس کے بھوت پر وہ
 کھوش نہیں رہ سکتی۔

۳۳ "بھلا" عدیل نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ جتایا تھا۔

"بال" میں کل ہی آؤں گی۔" اس کا لہجہ اعلیٰ تھا۔

عدیل کچھ دیر بیٹھا۔ غور چاہے اور کھانے کے لیے تھمتی رہی۔ لیکن وہ نہیں مانا، میاں سے جانے کے بعد اس نے دھڑکھڑایا تھا۔

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میری بات مان لیتی رہو۔ ورنہ تم پھر مجھے تو جانتی ہو، ہاں میں یہ وعدہ کرتا ہوں اگر تم میری بات مانتی رہیں تو میں رخصتی تک انتظار کروں گا کل آؤں گا تمہیں لینے کے لیے۔" غور رہتا اور یہ بھی سن لو، مجھے تمہارا ان رشتے واروں کے گھر جا کر رہنا بالکل پسند نہیں ہے۔ آئندہ اس سلسلے میں بھی احتیاط رکھنا۔"

فطرت تو کوسوں کر اس کے کہیں ہمیشہ روزی رہی تھی اور اب ایک اور ہنر پہنے بھی مراغیا تھا۔

"میں رخصتی ہوں عدیل صاحب کہاں تک جاتے ہو تم؟ عورت کو سو کی عیاشی کے لیے بیدا کی گئی تعمیر ہستی کیا تھا؟ تم نے تو اس پر میرا اصرار ہے۔ فقیر ہستی تمہیں ہمیں سے جینے نہیں دے گی اپنے لیے دیکھو مجھے تمام خواہ تم نے جا کر رکھ کر دیکھو ہیں تو اب میری زندگی کا مقصد نہیں بھی خوشیوں سے محروم کرنا ہی ہو گا۔" وہ غصے سے دھڑک رہی تھی۔

* * *

مجھے روزہ رکھنے کے لیے تیار ہو گئی۔

"اتنی جلدی کیا پڑ گئی ہے؟" خاتمہ نے شکوہ کیا۔

"اب دیکھا جاتی اور روٹی آتی تو چڑھانے کے اسکول بائیس کی۔" ایاز بھلا اپنے آئس کریم غلاباؤں گھر چلا گیا تو کمرے سے لگتے ہوئے بھی آدروں کی۔ بہتر ہے ابھی چلی جاتی۔"

فات متغول تھی۔ واقعی غلابا کا دینے اس کے ساتھ بہت سوا دوا تھا۔ سوا یا زات باہری سے ڈر اب کر کے چڑا گیا۔

"سیدھی اپنے پورٹن میں آئی۔" دونوں بہن بھائی اسکول جانے لگے تھے آئی سے کہہ دیا۔

"میری آمد کی اطلاع ملی حال ہی کو۔ وہیں سناٹہ میں کر کے آئی ہوں، طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ سونا چاہتی ہوں۔"

"تایا! کو سلام تو کر تو۔"

"اب یہ پروا دھونا بند کر دو۔ اچھ کر فریش ہو جاؤ" انہی ٹائٹ لے کر گولی تھامے گا۔"

رعنا تیزی سے بچنے سے اتری اور واٹس روم میں کھس گئی۔ یہاں اچھے رنگ کا جوڑا جس پر سلور کام تھا ہینک کیا ہوا تھا۔ انا بھاری کام وہ دلچسپ مٹی الداری کھول کر ایک ساوہ سا سوٹ نکال لیا۔

نہا کر نگلی تو شاید ہیگم ٹائٹ کے ساتھ موجود تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور بڑے اشتیاق سے اس کی جانب بڑھیں۔ انہیں قریب آتے آتے ٹھٹھک کر انہوں نے دلا کولی روپ اس کے چہرے پر نہ تھا۔ ابھی ابھی آنکھیں اور پریشان تھیں۔

"تم ٹھٹھک تو ہو نا رہی؟"

"رات سے اس کے سر میں درد ہے۔" جواب عدیل نے دیا تھا۔

"اوہ! آکر مجھ سے ٹیبلٹ لے لے جاتے۔"

اس بات کا عدیل نے جواب میں دیا "اے ناشتے کے لیے بلائے گا۔ وہ اس کے سامنے جا بیٹھی جو کئی شاہوہ ہیگم کمرے سے نکلیں وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جا کر بیل پر بیٹھ گئی۔

"اب کیا مسئلہ ہے؟ پشت تو کراؤ۔"

"میں تمہارے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتی مجھے ختم سے کھن آتی ہے۔" عدیل نے دانت میں کر زہ لب کچھ کھا پھر ناشتہ کرنے لگا۔ جو کئی وہ ناشتہ ختم کر کے اٹھا رہا تھا آٹھ گیلی اور دل بھی سے ناشتہ کرنے لگی۔



وہ کافی کشن بہت بھرپور تھا۔ اس کو شر کے مشور پار لہر سے تیار کروایا گیا اور جب وہ اسٹیج پر آئی تو سب ہی نے سراپا۔ عدیل اس وقت آیا۔ بے دعا ڈان لڑائی لڑنے کے ساتھ سامنے ہی کھڑا تھا۔ لڑائی اس کی جانب بڑھ کر کچھ کھا جواب میں عدیل نے بھی کچھ کمرہ آگے باری تھی اور دونوں ہنس پڑے تھے پھر وہ دونوں اسٹیج پر آکر اس کے دانتیں بائیں ہنسنے لگیں۔

"ہیلو میرا نام ذری ہے۔ یہ بائگن بڑی تعریف کر رہا ہے تمہاری۔"

رعنا نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ نظر جھکا کر نہیں بیٹھی تھی "سراٹھا کر دی ہی ہے نیازی سے دیکھ رہی

تھی۔"

"عدیل! تم تو کہتے تھے بڑی معصوم بڑی سادہ سی رہو گی۔" اس کی بے نیازی پر وہ خاموش نہیں ہو سکی۔

"میں راتوں رات کیا پلٹ گئی ہے اس کی۔"

"ہاں ابھی ابھی تمہاری جوتی لڑی گئی ہے۔"

"اب کیکو ذری بھلا ان میں ایسی کون سی خوبی بندہ میں اتراؤں گی۔" وہ چاہتا کر بولی تھی۔

ذری پہلے تو ٹھٹھکی مگر بہت تیز اور بے باک لڑکی تھی۔ معنوی حیرت ہوئی۔

"ارے آپ کو ابھی تک اندازہ نہیں ہوا حیرت ہے۔" اور فتنہ لگا کر فتن پڑی۔

"آپ اپنی باتیں ذرا سائڈ پر جا کر کر لیں یہاں مجھ سے ملے اور لوگ بھی تباہ ہاتھ ہیں۔"

ذری کی معنی خیز گفتگو اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"میں کمال بیٹھنا ہے کہاں نہیں بیٹھنا۔ خوب جانتے ہیں۔ تمہیں مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" عدیل نے بھڑک کر کہا۔

"جانے دو عدیل! ابھی بے چاری نہیں جانتی کہ تمہاری ہدف میں میری کیا حیثیت ہے۔" ذری نے اسے نشانہ ہوئے عدیل کے ہونے پر ہاتھ دیکھ کر کہا تھا۔

"ارے چرم میں تپ رہی جاتی ہوں۔"

وہ تیزی سے اٹھی اور ان کی سمجھ میں کچھ آنے سے پہلے اسٹیج سے اتر کر سامنے کرسیوں میں سے ایک کرسی پر جا بیٹھی اور عدیل کی قسمت عظیم الدین اس وقت اور قریب ہی کمرے تھے جب وہ تیزی سے اسٹیج سے اتر کر نیچے آ بیٹھی تو وہ نور اس کی جانب بچے۔

"ایسا ہوا رحمن بنی! تم اور کونسی آگئیں؟"

"وہاں عدیل فن صاحبہ کو کھانا چاہتا ہے۔" اس نے اونچی آواز میں کہنے کے ساتھ اشارہ بھی کیا۔

علیم الدین صاحبہ کے کہنے ہی سننے والے وہ وہ ایک کے رشتہ دار سب ہی موجود تھے۔ ایسی بات پر تھوڑی شرمندگی ہوئی "فہم زبان آیا اس سے پہلے کہ جا کر عدیل کو کچھ کھاتے موصورت حال دیکھ کر وہ خود ہی چلا آیا اور بولا۔

"ابا اور تو اس میری ایک پرانی کلاس فیلو اور دوست ہے۔ پتا نہیں وہ عاتکیوں اس طرح سوچ رہی ہے۔"

"تم یاد رکھنا عدیل! جو جگہ میں نے دھاگو دی ہے۔ اس پر کوئی دوسری عورت نہیں بیٹھ سکتی۔" تو از بہت نہیں

عدیل داخل تھا۔ عدیل نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ ایک بار پھر اسٹیج پر بھاڑی مٹی لہو ذری کو انا بھارا۔ رعنا کو خیال تھا عدیل برابر میں بیٹھ کر بھر کھائی چوت کمرے کا "میں وہ بیٹھا منکر آیا اور اسے اندازہ ہوا" لایا آیا کے عہد سے سر ہائی بھی نہیں کر سکتا۔

کچھ دیر کے بعد دونوں کے لیے کھانا اسٹیج پر لگایا گیا۔ عدیل نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

چرا اگر وہ لادوں میں بیٹھ گئی اور روٹی سے کھانا لانے لگا۔

"لوہر کمرے میں لے چلیں۔" عدیل نے کھانا لاتی روٹی سے کہا۔ لیکن رعنا نے کہا۔ "میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔"

وہ اور اپنے کمرے میں چلا گیا پہنچ کر کے اس کا انتظار کرنے لگا۔ ایک کھنڈے بیٹھے کو تھا۔ کھنڈے شہید بھی پارہا ہو کر بھی آ رہی تھی۔ غصہ بھی "لیکن وہ نہیں آ رہی تھی یہاں تک کہ عدیل غنڈ کی دوا دی میں اتر گیا۔

صبح عدیل کا سوخت تخت خراب تھا "اس نے صوفے پر رات گزارنے والی اس لڑکی کو دیکھ کر ایک خفا بھی نہیں ہو سکتا اس کی جانب دیکھ کر بھی گواہ نہیں کیا۔ جب ان کا ہاتھ کمرے میں آیا تو وہ بہتر ہے انہی کو اس کو ہم کیا عجیب رعنا نے کمرے کی جانب ہاتھ بچھایا اور جب تک وہ برآمد نہیں کیا۔

میرے لیے اور بنا کر لاؤ۔ میں کسی کا جو غنا نہیں کھاتا۔" غم دیا گیا جسے اس نے سنا ہی نہیں۔

"تم اٹھتی ہو یا نہیں؟" اس نے ہاتھ زور سے صوفے کی ایک پر مارا۔

"میں تو نہیں بھاڑی۔"

"کیسے نہیں بھاڑیں؟" اس نے باؤں سے پکڑا کمرے کی کھڑکی اس وقت کھلی ہوئی تھی رعنا نے پورے زور و شور سے چلانے کا آغاز کیا اور اس نے گھبرا کر اپنی چھوڑ دی۔

"چپ کر جاؤ! بد ذات! وہ وہ بے رعبے لمبے میں کہہ رہا تھا۔"

"میں ہی چپ ہو جاؤں! سب کو چاہیے تو عدیل صاحبہ کتنے عرو ہیں! وہ عورت پر ہاتھ اٹھاتے ہیں۔"

اس نے پھر چلانے کے لیے منہ کھولا عدیل نے فوراً اس

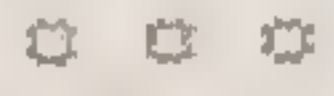
کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ اس شور کیا تو کا گھونٹ دیں گا۔" اسے صوفے پر بٹخا کر دھانت پیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"گھونٹ دو۔" یہی تو میں چاہتی ہوں تمہارے ساتھ زور و شور رہنے سے کہیں بہتر مر جاتا ہے اور پھر یہ خیال کہ میری موت کے بعد تم نیل کی ملاقات کے پیچھے ہو گے کتنا خوش کن ہے تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔"

عدیل کے لیے اپنی ذات اپنی چھوٹی بڑی خوشیاں بہت اہمیت رکھتی ہیں ذرا سی کمی پر اس کا دل اپنے لیے زنجور ہونے لگتا ہے یہی حال عدیل کا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رعنا شادی سے بعد ایسے کنوین کا مظاہرہ کرے گی۔ اس کا خیال تھا وہ مشرق کی کمزور عورت کی طرح اس کے سامنے سر جھکا کر بلا قاپوٹی کا گوارا لو کر گئے گی! جس کی دنیا شوہر سے شروع ہو کر شوہر پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اب جو ایسا نہیں ہوا تو بہت سی محرمیاں اسے ستانے لگیں۔

"یابہر تے آؤ تو یہ سرایا انتظار نہیں ملتی۔ اسے میرے کھانے پینے اور کپڑوں کی فکر نہیں ہوتی! یہ میرے لیے جتنی سہولتی نہیں اور میں چپکے چپکے اس کے کھن میں سرگوشیاں کر کے اسے شرماتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا! سننے غصے جوڑے تو محفلوں میں بیٹھ کر بھی اس نے ان کو بھول کر ایک اور کمرے میں کھو جایا کرتے ہیں اور وہ تو سب کے درمیان بیٹھ کر بیٹھے بھول ہی جایا کرتی ہے! کبھی میرے برابر نہیں بیٹھتی۔ مجھے زندگی میں یہ رنگ بھی ہا ہے۔"



رات کو اس نے علیم الدین کے ساتھ تھمائی میں بڑی دیر تک بات کی تھی۔ انہیں بتایا تھا کہ رعنا شاید ابھی زانیہ خور پر شادی کے لیے تیار نہیں تھی وہ شادی شدہ زندگی کی کسی بھی قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہے۔ "اور میں بڑی بہت سے اسے ذلیل کر رہا ہوں! لیکن آپ سب کو بھی اس طیلے میں میرا ساتھ دینا ہو گا! میرے خیال میں اس کا بہترین حل یہی ہے کہ اب جب میں اسلام آباد جاؤں تو آپ اسے بھی میرے ساتھ لے جاؤ اسے دیکھیں! بابا! یہاں کمر میں بہت سے لوگ ہیں وہ مجھے نظر انداز کر کے سی کے بھی پاس جا بیٹھتی ہے۔"

واقعی اس کی بات مستعمل تھی! یہ تو وہ بھی دیکھ رہے تھے رعنا کے چہرے پر نئی دلچسپی دیکھا تھا انہیں تھا تو

بالکل میلے جیسی ہی دکھتی تھی اب تک وہ اس کی خدمت داری
عدیل کے سر ڈال کر اس سے کسی روز بھی سے بات کرنے
کا سوچ رہے تھے لیکن آج عدیل نے پہلے خود یہ بات
کر کے سب کھینچ کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔"
"وہ میرے کئے کو اہمیت نہیں دے گی۔ آپ کہیں کے
تو یہ تیار ہو گی۔"
"میں کہہ دوں گا۔" انہوں نے قہر سے کہا۔



ڈرائیونگ کے دوران عدیل نے اس سے دو تین بار
بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ بات چولے چولے کھڑکی
سے باہر دیکھتی رہی۔ اس کی بات دھیمان سے سن رہی تھی
رہا کا خیال تھا اسلام آباد کے کسی اچھے سے رہائشی علاقے
میں اس کا گھر ہو گا لیکن شہر کی آبادی کے وہاں کوئی تجارتی
نہیں تھے جہاں عدیل نے گاڑی روکی تھی۔ پرانی لیکن
پڑی سی عمارت جس کے گرد پائونڈری والی پھوٹی سی مٹی
لگاری کا گیت جس کے آریار دیکھا جاسکتا تھا بے شمار
درختوں نے اس جگہ اور اس کے آس پاس ایک پھوٹے
موتے جنگل کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

عدیل نے بار بار تو ایک مقامی باشندے نے اگر گیت
کھولا اور عدیل کو دیکھتے ہی ہاتھ ماتھے پر رکھ کر سلام کیا۔
گاڑی عمارت میں داخل ہو کر ایک بار پھر رک گئی۔
"اتر و منزل آگئی ہے۔" وہ اپنی جانب کاروازہ کھول کر
اترا تو اسے بھی اترنا پڑا۔ وہ یہ سڑکیاں چڑھ کر کہہ آئے تھے اور
آگے کمرے سے ہوئے تھے اور کاروازہ کھول کر وہ کورڈور میں
داخل ہوا اور پھر ایک کمرے میں آگیا جو یقیناً اس کا
بیتروم تھا۔

"جلدی سے فریش ہو جاؤ۔ میں چائے کا کہہ کر آتا
ہوں۔ یہ اوپر واش روم ہے۔" اور جو بھی وہ اوپر کو چلی۔
عدیل کے موبائل کی مخصوص ٹون بجنے لگی اور واش روم کا
دروازہ کھولتے اس نے صبح کا نام سن لیا۔ وہ دروازہ کھول بند
کرتے کے بجائے تجنسن میں تھوڑا کھول کر وہیں کھڑی
ہو گئی۔

"پاں بھی۔" لے آیا ہوں اسلام آباد۔ بارالیا کا حکم تھا
کیسے ناں مگر تجھے فکر کیوں ہو رہی ہے۔ تجھے تو میں بھی
نہیں بھول سکتا۔ اسے تو میں چار دن چاندنی دکھائی ہے۔

نہیں فحاشت ہو یا راجہ کی عقلی نہیں ہواشت کر سکتا۔"
پھر وہ کیا کیا کرتا رہا اس کے لیے تو اس اتفاق سن رہی تھی
تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر کمرے میں آئی۔ عدیل موجود نہیں
تھا۔ اسے سوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یاد آیا اس کے
اپنی میں اسی نے وہ تین سوٹر بھی رکھے تھے جتنے تین سوٹر
سلمان گاڑی سے لگوا دیا بھی ہے یا نہیں وہ بھی دیکھنے کمرے
سے باہر آئی۔ وہ موبائل کال سے لگائے وہ سری جانب رخ
کیے وہ جیسی آواز میں بول رہا تھا۔

"ابھی کہاں لگا ہو میں ہی پھنسا ہوا ہوں۔ میں کچھ کام
رکھا ہے۔ دس پندرہ روپے تک سی اسلام آباد آسکوں گا اور
آتے ہی تم سے ملوں گا میں جتنا اداس ہوں تم اندازہ نہیں
کرسکتیں۔"

"ہی ہا کچھ چاہیے تھا؟" سامنے کچن میں اوپر تر
ملازمہ چائے بنا رہی تھی اسے دیکھا سلام کیا پھر پوچھنے
لگی اور عدیل نے بھی مڑ کر دیکھا پھر موبائل آف کر دیا۔
"باہر کیوں آئیں؟"
"سلمان چاہیے تھا۔"

"ہی وہ رقیق لارہا ہے۔ تم اندر چلو۔ ایک تو یہاں دیکھے
بھی سری لارہا ہے زیادہ ہونی ہے اور علاقہ بھی کھلا ہے۔
میرا خیال ہے رات کو پھر آن کرنا ہے گا۔"
"تم سو رہی ہو؟" اس نے خطرناک تو پوچھنے
لگا رخائے اثبات میں سر ہلادیا۔

"فکر نہ کرو کل ہم مزید شاپنگ کر لیں گے۔ ایک آدھ
ی کافی ہے۔ مجھے زیادہ عرصہ یہاں رہنا تو ہے نہیں شہر بڑی
بے نیازی سے بولی تھی۔
"کیا مطلب تو پھر کہاں رہنا ہے؟" اس نے بھنویں
سکوڑ کر پوچھا تھا۔

"والہی جانا ہے مجھے خیر دیکھا جائے گا اور فی الحال تم
میرے دست اچھے ہو کر خراب مت کرو۔ کتنے کمرے ہیں
اس گھر میں؟" وہ پوچھنے لگی۔
"ہست سے لیکن صرف تین ہی سیٹ کے ہیں ایک
گیسٹ روم ڈرائنگ روم اور یہ میرا بیتروم۔"

"مگر حرج ہے گیسٹ روم؟ میں اپنا سلمان اوہری
رکھواؤں گی۔"
"تمنا شامت بناؤ یہاں رہو گی تو گھر کے ملازم ٹھیک کی
نہرے دیکھیں گے تمہیں کچھ تو سوچ لیا کرو۔ عدیل سنبھلا
کر کہا تھا۔

سلمان تو مرد کے پاس ہوتا ہے عورت کے پاس تھوڑا
ی۔ اس نے جھپٹا تھا۔
"بہر حال تمہیں اسی کمرے میں رہنا ہے اور وہاں تم نے
رکھا ہے ہر آدمے کے آگے گرل لگی ہوئی ہے صرف
وہ آگے کا ایک ہی دروازہ ہے وہ بھی اوپر کی مضبوط چابی
ہے یہ سب اس لیے کہ اس علاقے میں بھیس بے بند
اور جنگلی بلیاں ہست ہیں کبھی کبھی چیتے بھی دیکھے گئے ہیں
مٹی سے بھی دروازہ کھلا مت چھوڑنا اور شام میں تو بالکل
بھی نہیں یہ ملازم بھی احتیاط رکھتے ہیں تم بھی شام کے
وقت میں ہر آدمے کا دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش
مت کرنا۔"

عدیل نے یہ بات ایسے وقت میں کہی تھی جب وہ
دوسرے کمرے میں رہنے کی بات کر رہی تھی چنانچہ وہ صبح
کر رہا تھا اسے اس کے ارادے سے باہر نکلنے کو بات
پڑی تھی لیکن جو بھی تھا وہ خود غور و فکر سے ڈرتی
تھی۔ اس نے خاموشی سے اپنا سلمان اسی کمرے میں رکھ
لیا۔



عدیل کا موبائل بے حد خوشگوار تھا اور وہ دست بدست
رہتی تھی۔
"میں واپس لگا ہوا رہتا ہے۔"

"تو میرا کیا بنے گا جانی؟" بڑے ہلکے انداز میں
اس نے کہا تھا۔

"تب ہی موبائل کی مخصوص ٹون بجنے لگی اور وہ
بڑھتے ہوئے انداز میں طنز بھری ہنس پڑی۔

"ٹھیک نہ کیا کرو سینئر کا فون ہے۔" اسکرین کی جانب
نظر ڈال کر وہ کہہ رہا تھا۔

"تو کیا ہوا ابھی دو سرا فون بھی آجائے گا۔" عدیل
موبائل پر بات کرنے لگا۔

"جا کر کچھ ناشتہ تیار ہے۔" کل انینڈ کرنے کے بعد
وہ کہہ رہا تھا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔
"بھی ہوئی ہے موت ہو۔ ہم سے تو بلیاں اچھی ہیں
نہی کا کچھ رعب کوئی دہشت تو ہے تم پر۔" وہ یہ کہتا
کرتے سے چلا گیا۔ اسے پھر سے رات کو کو بجنے والی
ڈولک آوازیں یاد آئیں۔

انینڈی داشت کر کے اپنے فون چلا گیا تو یہ بھی ہاتھ کر
کچن میں آگئی۔ ملازم عورت نے ادب سے سلام کیا پھر
داشت بنانے کے بارے میں پوچھنے لگی۔
"تم بناؤ۔ میں خود اہل کی۔"

"ٹھیک ہے ہی ہا میں آتی رہیں برتن دھو لیتی ہوں۔"
رہائے اوہر اوہر کھا کچن کی حالت خاصی ابتر نظر
آئی۔

"تم صفائی ٹھیک سے نہیں کرتیں۔"
"اب آپ آگے ہو جیسا بولو گے کروں گی۔" مگر کتنے
کے ساتھ ہی رہا کو خیال آگیا تھا۔ بھلا مجھے کیا ضرورت
پڑی ہے جس کا گھر ہے وہ جائے میری جاسے۔ اپنے لیے
داشت بناتے ہوئے پائیس کیا کیا سوچ کر وہ آدرا ہو رہی
تھی۔

"یہ تناؤ۔ اس جنگل میں جا رہی ہوتے ہیں؟"
"اوہر جنگل کہاں سے ٹیم صاحب! یہ تو بس چند
درختوں کا جھنڈ ہے لیکن آپ کو بتا ہے یہ پو پھر بار کا علاقہ
ہے راستے اونچے نیچے پہاڑی نما ہیں پھر ڈرا اور تو ہست
کتنے درخت اور غار ہیں۔ اور پھر غار ہوتے ہیں اور رات کو
وہ اوہر بھی آجاتے ہیں لیکن دن میں اوہر خطرو نہیں
ہوتے۔"

"پھر میں ہر آدمے کا دروازہ لاک رکھا کرو صرف شام
میں ہی نہیں دن میں بھی۔"

"ٹھیک ہے ٹیم صاحب! اور میں کیا پاؤں؟"
"کچھ بھی ہالینا۔"

باشتا تیار کر کے ٹرے میں لگایا اور کمرے میں چلی آئی۔
داشت کر کے لاہور میں سب سے بات کی لیکن کتنی دیر
اسی اور آگئی اسی ایک ہی بات کہہ رہی تھیں۔ "اب وہ
تمہارا گھر ہے اسے سچاؤ سنو اور دلچسپی لو۔" وہ یہ سب سننا
نہیں چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا عدیل کی واپسی شام تک
ہو گی کچھ دیر ایک کمرے سے دوسرے میں گھومتے اور
گرل سے باہر جھانکنے کے بعد وہ آخر وہ پھر سے کمرے میں
آئی تھی۔ کچھ نہیں سوچا تو اپنے کچھ کپڑے ہی پریش کرنے
لگی۔

عدیل کی واپسی ہست جلدی ہو گئی اور اسے اس کی آمد پر
کیا خوشی ہو سکتی تھی۔

"ایک دوست نے انوائٹ کیا ہے۔ میں رات کو دیر
سے آؤں گا۔ ذرا نہیں یہ جانو اندر نہیں آسکتے۔"

"بات بات پر ہاتھ اٹھاتا ہے" مجھے زور فرما رہا ہے اور میں پھر بھی اس کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ "یہ خیالی ذہن میں آتی ہے جاکہ تھا وہ فوراً اٹھتی۔ وہ دانا کھولا پھر تیرا چار گیا۔ اس کے بعد لکڑی کا پھانک کر اس کے کہ وہ لکڑی پتی سڑک پر پڑے گی۔" اچھا۔ یہ تو انکھوں میں آنسو آئے۔ آنسو بار بار پڑ پڑتا جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹھک کر سٹک میل پر بیٹھ گئی اور لونا چائی پر بنے گھروں کو بظاہر بڑے اٹھناک سے دیکھنے لگی۔

"کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" کوئی مست قریب آکر بولا تھا اور وہ دو دھکوں کے پائل میں اتری ہوئی تھی۔ یہ آواز سن کر اچھل پڑی۔

"دیکھئے یہ جگہ قطعی محفوظ نہیں ہے۔" رہتائے اب کے کچلے گھر سے ہوتے اندھیرے کی طرف پھر اس کی طرف دیکھا وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے بازو اور ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی تھی یقیناً وہ زخمی تھا خوف کچھ کچھ ہوا۔

"اگر آپ کہیں تو آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دلاں گا۔"

"مہم میں تو راستہ نہیں جانتی۔ ہم لوگ ابھی یہاں آئے ہیں۔" وہ وہاں ہی رہ رہی تھی۔

"اگر وہاں ہیں آپ ادھر۔"

"آپ فون نمبر بتائیں میں رابطہ کرتا ہوں۔"

وہ روئے لگی۔ "دیکھئے کبھی بالکل یاد نہیں۔ میرے موبائل میں ہے نمبر لیکن موبائل تو گھر پر ہے۔ آف اب میں کیا کروں؟"

"تو میں نہیں میرے ساتھ آئیے۔ میرے گھر میں میری سسٹر اور ان کے بچے موجود ہیں۔ گھبراہٹ نہیں یہ جگہ تو بالکل محفوظ نہیں۔"

یہ تو وہ خود بھی دیکھ رہی تھی۔

"شکل سے شریف آدمی لگتا ہے اور پھر زخمی بھی ہے۔ میرا خیال ہے۔ مجھ سے کہہ دی لوں۔" اس نے سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ ہول۔ گھر میں واقعی ایک خاتون اور میں بچے موجود تھے۔

ساتھ لکڑی پر لگا ہونے کی رات کے سالانہ آندھ ہورہے تھے۔

"اب تک عدیل کے مہمان آچکے ہوں گے اور میرے لیے تو اس کا غصہ آخری حدوں کو چھو رہا ہوگا۔ کوئی پتا

نہیں آج وہ گھر پہنچنے پر مجھ رہی ڈالے۔"

ان سب نے رہتائے کی جانب دیکھا خاتون اس کے پاس آئیں۔ نام پوچھا اور یہ جان کر کہ وہ اپنے گھر کا پتہ بھول گئی ہے۔ خاص پریشان ہوئیں۔

"اسکے زمان کو فون کو نہ شائبہ۔" وہ بھائی سے مخاطب تھیں۔

"اگر وہ ایسی بھی آفت نہیں آئی کہ پولیس طلب نہ کی جائے۔ آپ یہ بتائیں اپنے بھیل کا نمبر تو یاد ہے نا آپ کو۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر نمبر دیا۔ "تو نمبریکہ ہے اسی پر زنگی کرتے ہیں۔ بھیل تو آپ کا گھر میں ہی ہے نا کوئی تو اٹھائے گا۔"

شائب نے نمبر دیا یا بھیل جاتی رہی۔ پہلی بار وہ سری بار پھر تیسری بار یقیناً وہ ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ مصروف ہو گا اور اس کا موبائل تو بیدار روم میں رکھا تھا۔

"اگر آپ کہیں اس پرانے پتے کے محلے میں تو نہیں رہتیں جس کے آس پاس بہت سے درخت ہیں اور جس کی دروازوں کو گھڑیوں پر تازہ تازہ گرین فلر کا پینٹ کیا گیا ہے۔ دوری سے دکھائی دیتا ہے؟"

"جی ہاں۔" اس نے حسرت سے کہا۔

"پھر وہ پتہ کی بات کی بات نہیں میں اس کے لیے کبھی کبھار بیرون کے اس طرف سے جلتے ہیں۔ خوب پتا ہے اس راستے کی۔ شائبہ گاڑی لگاؤ میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ راستہ بتائی جاؤں گی۔" وہ خاتون اس بار طمانیت سے بولی تھیں۔

جس وقت وہ عدیل کی رہائش گاہ پر پہنچے سرد رات پر پھیلائے دلوں پر بھی سرد اور خوف آ رہی تھی۔ وہ دونوں سوچ رہے تھے پتہ نہیں اس کا شور پر کس مزاج کا ہو گا اور اجنبیوں کے ہمراہ اپنی بیوی کو دیکھ کر کس دہشت کا مظاہرہ کرے گا جبکہ وہ اس کی بار سے خوف زدہ تھی۔ تکلیف اور تامل کا احساس ابھی سے رگ و پے میں اتر رہا تھا۔ چھوٹی سی پاؤں والی سے نظر اتر رہا تھا کہ اب وہی عدیل کی گاڑی کے علاوہ کوئی گاڑی نہیں تھی یقیناً اس کے مہمان چائے تھے۔

گاڑی کے پارن پر خدا بخش نے گیت کھولا تھا اور "واہ من کری عدیل بھی باہر آ گیا تھا۔"

"آپ کی شکرت راستہ بھولی تھی۔" فرح خود بخود اتری تھی اور عدیل کو بتا رہی تھی۔

"اوپر سے حد شکر یہ آپ لوگوں کا اندر تو آئے۔"

پڑی شائستگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"نہیں پھر کبھی سی فو اٹھاؤ تو آپ سنبھالے اپنی معصوم سی بابت کو۔ ہم بچوں کو گھر پر ایسا چھوڑ کر آئے ہیں گھر نہیں ہے۔"

وہ واپس چلے گئے۔ رات دھڑکتے دل کے ساتھ اندر آئیں۔ اسے سردی لگ رہی تھی اور وہ بے حد تھکن اور تھوڑی محسوس کر رہی تھی۔ کمرے میں آکر جیسے ہی بیڈ پر بیٹھی عدیل کی سر آواز آئی۔

"اپنا کمرہ اٹھاؤ اور صوفے پر چلی جاؤ۔"

اس نے کمرہ اٹھا لیا مگر صوفے پر بغیر کپڑے کے کہ کپڑے تو ایک ہی تھا اور اسے سردی بھی لگ رہی عدیل نے سر سے پاؤں تک کپڑے اوڑھ لیا تھا۔ وہ بھی سی ٹیال اوڑھے صوفے پر اقبولان طرح منہ اٹھائے تھی۔ عدیل نے اسے مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔

"کیا میں اس کی غلط فہمی دور کروں؟ اسے بتاؤں میں نے جان بوجھ کر در نہیں کی لیکن کیا یہ خود غرض شخص اس قابل ہے کہ اسے دشمنی سنائی پھر سے لیت گئی۔ خوف اور خجائن کے لیے کھڑا ہو کر قہقہے بھڑکاتا ہوئے ہو؟"

ساری رات سوئے جانے کی کیفیت میں گزر گئی۔ صبح جسم ٹوٹ رہا تھا۔ وہ وقت پر اٹھ نہ سکی۔ عدیل تیار ہو کر آفس چلا گیا۔ کچن سے کھینچ کر پکڑی تو اڑی تھیں۔ یقیناً بٹولاں برتن و موزوں تھی۔ اس کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹی اور سو گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ ذرا کی بھوک لگ رہی تھی اور سر میں درد بھی تھا۔ فریٹش ہو کر وہ کچن میں آئی۔ برتنوں کا ایک ڈھیر تھا جو بٹولاں نے دھو کر رکھا تھا۔

اس نے فریج کا جائزہ لیا رات کا پچاسواں کچھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسی میں سے تھوڑا سا اٹھا اور صرف چائے بنا کر پاشا کر لیا۔

"اب ایک تو بجے گا ہے۔" وہ بچے تک عدیل گھر تھی چایا کر تھی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ کی رہ گیا ہے۔ اسے کچھ اہمیت نہ تھی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ عدیل آئی اور عدیل کے بجائے شام کے چائے بنے گھر آیا اور اس کے ساتھ وہ بے حد مازوں سے پاک سی لڑکیاں بھی تھیں۔ وہ

ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بجائے بیڈ روم میں بیٹھ گئیں اور انہوں نے رختا کے وجود کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر گیسے روم میں آئیں۔ یہاں بیڈ روم پر تھک کر وہ اسٹیل بھی ہو چکا تھا۔ "اگر رات کو دھیان ہی نہیں کیا آئیے تو سردی میں غصہ پڑی رہی۔" وہ عدیل پر کھیل ڈال کر بیٹھ پڑی۔

"کیا مجھے یہ انتظار کرنا چاہیے کہ وہ مجھے اپنے منہ سے جانے کو کہے لیکن وہ بھی نہیں سے گا۔" ایسا باتا کے بارے ایسا نہیں کہہ سکتا وہ بس مجھے پوچھ رہی تھی کہ آپ کا یہ لڑکیاں مسلمان ہیں کیسے کہہ دیں سے تعلق ہے ان کا ان کے لباس "انداز" کتنا فضول ہے اور وہ جسے تقدیر نے میرا شوہر بنا دیا ہے۔ ان پر مڑا ہے اسے پتہ نہیں چلا آنسو تو اثر سے چھوٹ رہا ہے۔ تھک چکی ہیں اس پر بیٹھنے کے کتنی ہی دیر گزر گئی باتوں اور غصے کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔

کھانا کھا کر اس نے نماز پڑھی اور بعد سے میں سر دھک کر دیر تک روتی رہی۔ کیا بات خدا سے اسے یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ روتی رہی تھی۔

تیار رہنے کے قریب اس نے گاڑی کی آواز سنی تھی۔ یقیناً عدیل کے مہمانوں کی واپسی دور رہی تھی وہ جانتی تھی اسے بلانے نہیں آئے گا۔ وہ روزانہ لاک کر کے لیت گئی۔ پھر اس کی آنکھ بہت دیر سے لگی۔ صبح اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کس وقت تیار ہو کر چلا گیا ہاں جب شام کے پانچ بجے اس کی واپسی ہوئی تو وہ کچن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

"سنو یہ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے امتزاجت فرماؤ۔" آج بندہ دم میں سوٹا ہو گا۔ کچھیں۔" وہ حکم مقرر چا گیا اور اس نے چائے رنگ میں اندل دی۔

یہ میرا روز تھا جب وہ اس سے بات نہیں کر رہا تھا مگر من مانی جا رہی تھی۔

"صبح اور دشمن آ رہی ہیں میں نہیں چاہتا تمہارے درمیان جو بھی ہے اس کی بھٹک بھی خاتون میں کسی کو پڑے اس سے کچھ دلوں کے لیے ہمدردیوں کو اور انکاری کرنا پڑے گی۔" وہ وہاں اس کے سر پر کھڑا کر رہا تھا۔

"میری بات سن رہی ہو؟" اس کے خاموش رہنے پر وہ جھٹکا گیا۔

"ظاہر ہے سہی نہیں ہو رہی ہیں ہی رہی ہوں۔"

”تو پھر اس پر عمل بھی کر لیتا تمہاری ہی عزت کا سوال ہے۔“

”ہو نہ“ وہ سر جھٹکے بغیر وہ نہیں سکی عدیل نے اس انداز کو دیکھا ضرور لیکن فی الحال خاموش رہنا ہی ستر تھا۔

وہ ابکھن میں تھا کہ آخر ان دونوں نے اچانک کیوں پروگرام بدل لیا۔ مانا کہ جاگرایا سے وہ دونوں ہرگز کوئی شکایت نہیں لگائیں گی لیکن جو اندازہ لگائیں گی نگہ جا کر ضرور بتائیں گی اور پچھو تو جب تک سارے خاندان کو شانہ دین چھین نہیں پڑے گا۔

اور اوجھ وہ سوچ رہی تھی یہ دونوں عدیل سے ملنے یہاں تک چلی آئی ہیں۔ کوئی تھیں دلا رہی ہے تب ہی تو عدیل صاحب تیار ہو جائے آپ بھی بہت دن ڈیوٹی برداشت کر لی ہیں۔

ابھی سوچ ڈھن میں ابھری تھی کہ وہ سیدھی ہو بیٹھی اور اندر دینی سوچ کا غصہ اس کے چہرے پر بھی ابھرنے لگا۔

عدیل بھی اسے دیکھ کر جو کچھ کہنا چاہتا تھا نہیں۔

”کیونکہ یہ گھر میں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا لیتا آؤں گا۔ وہ دونوں پر سونے پر تک پہنچ جائیں گی۔“

رہنا نے اٹھ کر الہامی سے اپنے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گئی۔

جس روز شمع اور رشتا نے آنا تھا عدیل آفس ہی نہیں گیا۔ بتولاں کے ساتھ مل کر سٹ بنائی اور مارکیٹ سودا لینے چلا گیا۔

”کوئی خاص مہمان آرہے ہیں؟“ اس کے جاننے کے بعد بتولاں نے رشتا سے پوچھ دی تھی۔

”تمہارے صاحب کی ملنے والیاں ہیں۔“

بتولاں نے برا سامنا بنا کر ایسی سانس لی تھی اور خاموشی سے کچن میں جا کر دھلے برتن خشک کرنے لگی۔

بتولاں نے یہ سن کر کہ لڑکیاں عدیل کی ملنے والیاں ہیں بے رہی سے کھانا تیار کیا۔ وہ دونوں آئیں تو سلام کرنے بھی کچن سے باہر نہیں نکلی اور رہنا بھی ان کی آمد کے بعد کچن میں ہی کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔ عدیل کچھ دیر بعد آیا۔

”تم اوجھ آکر کیوں بیٹھ گئی ہو۔ مہمان آئے ہیں تمہارے گھر میں کیوں اچھا لگا ہے کیا؟“

”وہ میری نہیں تمہاری مہمان ہیں۔ تم اٹھ کر۔“

”میں نے تم سے کچھ کہا تھا رشتا“ وہ ہنسی مشکل سے ضبط سے کام لے رہا تھا۔

”میں بھول گئی ہوں۔“

”باہر آکر بات سنو۔“ وہ بتولاں کے سامنے کچھ کمر نہیں چاڑھ رہا تھا۔ رہنا اٹھ گیا ہر آٹنی۔

”ہر وقت تماشا کرنا ضروری ہوتا ہے“ جیسے ذرا بھی تیز نہیں ہے۔“

”مگر آنے والے کسی عزت کے مستحق ہوں گے تو میں ضرور انہیں عزت دلاؤں گی۔“

”انداز آکر بیٹھو۔“ اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں لیکن اظہار آرام سے کہا تھا۔

رہنا نے کچھ سوچا پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ عدیل گیسٹ روم میں اس سے پہلے داخل ہوا۔ دونوں لڑکیوں کی نادر و شور سے ہنسنے بولنے کی آوازیں آنے لگیں جیسے ہی رہنا کمرے میں داخل ہوئی ”نت نئی فرمائشیں کرتے کرتے دونوں بالکل چپ ہو گئیں۔ رہنا نے جتانے والے انداز میں عدیل کی جانب دیکھا۔

کھانا صرف اس کی موجودگی کی وجہ سے بڑی خاموشی سے کھایا گیا اور اس کے بعد وہ اٹھ کر بیڈ روم میں آگئی۔ وہ بدستور صوفے پر بیٹھ رہی تھی لیکن انداز اس کے پاس گیسٹ روم والا کھیل ہوتا تھا عدیل کو مسالوں کا اختیار رہا کہ ان کے آنے پر کسی چیز کی کمی نہ ہو لیکن رہنا کا خیال نہیں آیا اب وہ رات کو کیا اوروں کر سوتے گی؟ اس نے اسے بیڈ روم میں تو بلا لیا تھا لیکن بیڈ پر سوتے کو نہیں کہا تھا اور رہنا کو بھی خودداری ہو گئی تھی۔ وہ آج پھر دونوں گرم شاہوں کو ملا کر صوفے پر لیٹ گئی تھی۔ عدیل جب کمرے میں آیا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔ رہنا کو نیند نہیں آرہی تھی لیکن وہ سوئی نہیں گئی۔

”ناشتے کی ٹیبل پھر وہ اور ان کی باتیں نہیں اب تو رہنا کی موجودگی میں بھی خاموش نہیں ہوئی تھیں۔ انہیں خوبصورت کراہی والے گرم سوٹ اور سویٹر پہنے تھے۔ یہاں کی کچھ خاص سوخا تھیں اور چوڑی بھی چاہیے تھی۔“

”آج تو آفس جانا ہے پاپا مسلسل رابطہ رکھتے ہیں۔ کل بھی انہوں نے آفس فون کیا اور جب پتہ چلا کہ میں آفس نہیں آیا تو بہت تھکا ہوئے تھے۔“

”پھر آج شام کو چلیں گے۔“ شمع نے جھٹ سے کہا وہ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عدیل کے جاتے ہی رہنا نے بتولاں سے پوچھا۔ ”کوہر کیسی کدھر سے ملے گی؟“

”فون کر کے منگوائی جاسکتی ہے“ آپ کو کیوں جانا ہے کیا؟“

”بتولاں! وہ ابھی ابھی میرے گھر سے فون آیا ہے“ ضروری کام ہے مجھے جانا پڑے گا تم خدا بخش سے کہہ دو کیسی منگوا دے اور میرے ساتھ کوچیز کے لاک ٹک چلے۔“

”ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! میں کہہ دیتی ہوں۔“

کمرے میں آکر اس نے ضرورت کی چیزیں اور کپڑے جلدی جلدی بیگ میں ڈالے جیسے ہی کیسی آئی وہ خدا بخش کے ساتھ نکل آئی۔

جس وقت وہ لاہور پہنچی شام کے سات بج رہے تھے۔ اندر میرا چھاپکا تھا اس نے راستے ہی میں ڈیا آبا کو فون کر کے ڈرائیور کو بھیجنے کے لیے کہہ دیا تھا لیکن وہ تو خود لینے آئے تھے۔

”تم اپنا تک۔ خیر تو ہے بیٹا“

”جی ہاں آبا خیر ہی ہے“ اس نے آبا کو فون سے ملنے چلی گئی۔ یہاں بھی آبا کل رشتا اور شمع اسلام آباد آئی ہوں ہیں وہ میرا دل کی کام نہیں تھا۔“

وہ جیسے سمجھ گئے اور خاموش ہو گئے لیکن گھر پہنچنے ہی انہوں نے لہر مار کر عدیل کی خوب خبر لی تھی جس کے نتیجے میں کچھ دیر بعد وہ اس کے موبائل پر تھا اور خوب ہی برسا تھا۔ اچھی خاصی بنانے کے بعد اس نے کہا تھا۔

”میرا خیال ہے رہنا تالی ہمارا ساتھ لگائی بہت تھا۔ جی مجھے نہیں حاصل کرنا تھا کر لیا اب اپنے عاشق سے یہاں چلاؤ یا کسی اور کے لیے بندہ جاؤ مجھے برا نہیں۔“

وہ سن کر کھنکھائی رہ گئی پھر وہ اس رات ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سو سکی تھی۔

اگلے روز رشتے کی ایک چچی اچانک ہی چلی گئیں رہنا کو کی تو خشکیں۔

”ساجدہ تو بتا رہی تھی“ اس کی دونوں لڑکیاں اسلام آباد گئی ہوئی ہیں۔ تم تو یہاں آؤ۔“

”جی عدیل تو وہاں ہیں نہ۔“ اس نے جس طرح کہا ابھی

تو خاندان کے ایک ایک فرد کو خبر دینے کے لیے بے تاب ہو گئیں۔ یہ ان کی اٹھ کارکردگی کا نتیجہ تھا کہ اگلے ہی روز دونوں لڑکیوں کو سارے پروگرام کیمنٹل کر کے واپس لاہور لایا گیا۔

”ایسا آبا نے عدیل کو فون کر کے کہا کہ وہ آکر رہنا کو لے جائے۔ جواب میں اس نے کہا تھا۔“

”ایسا رہنا کو یہاں لا کر رکھنا میری غلطی تھی یہاں تو وہ آپ لوگوں کی گھرائی میں ہے۔ یہاں میں تو آفس چلا جاتا ہوں نہ اوجھ! ہر گھوٹے اٹھ جاتی ہے۔ میری تو اس کی نظر میں لاگوڑی کی بھی عزت نہیں۔ یہاں اس ویران علاقے میں وہ بڑے آرام سے ایک غیر مووی گاری میں رات کے دس بجے گھر آتی ہے۔“

”تم کو اس کر رہے ہو عدیل!“

”مجھے پتہ تھا اب آپ کی کہیں گے لیکن کسی بھی غیرت مند مرد کے لیے یہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے۔ چاہے اس کے باپ کا حکم ہی کیوں نہ ہو۔“

بعد میں یہ سب اس نے خود ہی رہنا کو قاف کر کے بے بسکون کر دیا تھا۔ اسی شرمندگی اور دکھ نے اسے یہاں کر لیا۔

بھار تھا کہ نوٹس میں ہی نہیں آتا تھا۔ آیا انا تو جب آکر بیٹھے تو وہ رونے لگی لیکن اس کے لب اس بارے میں کوئی بھی بات کرنے سے قاصر تھے۔

میرے روز اسے پتہ چلا آیا آبا اور تالی جان اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ ان کی واپسی ایک ہفتہ بعد ہوئی تب تک اس کا بخار تو بڑھ چکا تھا لیکن ابھی وہ بہت کمزور تھی۔ آیا آبا نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور پاس بٹھا کر آہر دہی سے کہا تھا۔

”عدیل نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا“ اسے معاف کرنا چاہتا تھا۔ باز عورت پر تعمت پڑا گناہ ہے اور اس نے تمہارے کردار پر جیسے اتھال کر اس کی سزا پالی ہے۔ وہ تمہارا گھر ہے بیٹا معاف کر دو اسے۔“

وہ کچھ نہیں سمجھ رہی تھی تب نصف بیگم نے بتایا۔

”عدیل کا بہت ہی طرح ایکسپنڈنٹ ہوا ہے“ وہ چلنے پھرنے سے معذور بہتر پڑا ہے۔ اس وقت اسے تمہاری بہت ضرورت ہے۔“

وہ بار بار جانا نہیں چاہتی تھی لیکن ماں کے مجبور کرنے پر ایک بار پھر جاری گئی اس بار آیا اور تالی جان اس کے ہمراہ تھیں۔ عدیل ہاسپٹل بہت گھر آچکا تھا۔ ایک ٹانگ اور

بازو فریکچر تھا۔ کمر میں بھی شدید چوٹ آئی تھی۔ وہ اس وقت مکمل طور پر دوسروں کے رحم و کرم پر تھا۔



جس وقت وہ لوگ اسلام آباد پہنچے، کارپڈور میں خدا بخش سے ملاقات ہوئی اور اس نے بتایا وہ ابھی ابھی صاحب کا لباس تبدیل کر کے آ رہا ہے۔ رہنا ہے وہ کچھ اس کے ہاتھ میں عدیل کے اتارے ہوئے کپڑے تھے وہ شخص جو ملازموں کو زیادہ لفٹ دینے کا قائل نہیں تھا۔ خدا بخش کے ساتھ تو ہمیشہ بڑے روکھے انداز میں بات کرتا تھا۔ آج۔ آف! کیا ہے انسان بھی لیکن وہ اپنی اوقات بھول جاتا ہے، بڑھ کر بولنے اور دعوے کرنے لگتا ہے۔ جتلاں بڑے میں یقیناً عدیل کا کھانا رکھے اور حرا آئی تھی۔ انہیں دیکھا تو سلام کیا اور رہنا کو دیکھ کر تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔

کمرے میں شاہدہ بیگم اور عظیم الدین پہلے داخل ہوئے۔ ان سے پیچھے جتلاں تھی اور سب سے آخر میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ تھی۔ برا تو اس کے ساتھ عدیل نے کھا تھا لیکن مجھ میں اسے نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کا سامنا کیسے کرے۔

”کیسا ہے میرا بیٹا“ عظیم الدین نے بیٹا چہلن کے قریب بیٹھتے ہوئے محبت سے پوچھا تھا۔

”بس جی رہا ہوں بابا“ وہ ہنسی سی ہنسی بڑا تھا۔

”گھبراؤ نہیں بابو بس کیوں ہو؟ چند روزہ تکلیف ہے پھر تم پہلے کی طرح بھلے ہو جاؤ گے۔“

”یہ نہیں وہ دن کب آئے گا بابا بہت تھک گیا ہوں میں۔ آگیا کیا ہوں۔“

”میرے ساتھ رہنا بھی آگئی ہے اب یہ تمہیں کہنی دے گی مگر نہیں ہونے دے گی۔“

تب اس نے چوہ موڑ کر چپ چاپ کھڑی رہنا کو دیکھا، بولا کچھ نہیں۔ جتلاں ابھی تک برتن اٹھائے کھڑی تھی، شاہدہ بیگم سے بولی۔

”اب آپ آگئے ہو اپنے پیتر کو خود کھلاؤ۔ مجھ سے توئی یہ مانگتے ہی نہیں ہیں۔“

”بری بات عدیل! ایسا نہیں کرتے۔ تم تو سمجھ دار ہو، جانتے ہو جلدی صحت یاب ہونے کے لیے خوراک لینا بھی تو ضروری ہے۔“

عظیم صاحب نے سارا دے کر اسے بٹھایا۔ دائیں ہاتھ پر لیٹر تھا اور بائیں سے کھانے میں یقیناً اسے دقت ہوئی تھی اس لیے شاید خود کھلانے لگیں۔

”میں آپ دونوں کے لیے کمرہ دیکھ لوں۔“ رہنا یہ بہانہ بنا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

”رات کا کھانا اس نے جتلاں کے ساتھ مل کر کھایا۔ منہ گوشت کا سا بن، شامی کباب اور پھلکے۔ عدیل کے لیے وہ خود کھانا لے کر آئی۔ بند کے ساتھ چھوٹی ٹیبل رکھ کر اس پر نرے رکھی اور اپنے لیے کرسی رکھ کر بیٹھ گئی اور پھولے پھوٹے لٹالے بنا کر اس کی طرف پوچھنے لگی۔ بہت خاموشی سے یہ مرحلہ طے ہوا۔ وہ کھلانے کے بعد وہ باہر آگئی۔ کچن میں بیٹھ کر کھانا کھایا، سامان ابھی تک کارپڈور میں رکھا تھا اور اس میں اس کا لایا ایک عدد کرم کبیل بھی تھا۔

لایا جان اور ملکی جان اپنے کمرے میں تھکے اس نے سامان اٹھایا، الماری میں پیک یونٹی رکھ دیا اور پھر کبیل اٹھا کر صوفے کی جانب بڑھ گئی۔ عدیل نے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

رات میں اگر میری ضرورت پڑے تو آواز دے گا۔ وہ کہہ رہی تھی پھر اسے اپنی طرف دیکھا مگر کبیل اڑھ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ آج پھر بیٹوں نے درخت پر اگر بہت شور مچایا، اب وہ ڈری تو نہیں لیکن نیند ہری طرح اچاٹ ہوئی۔ عدیل بھی یقیناً جاگ رہا تھا۔

”ماٹھے میں کیا لوگے؟“ آج وہ پوچھ رہی تھی۔

”جو بھی مل جائے۔“ عدیل کی آواز بہت تھی۔ اسے خیال آیا، وہ تو ابھی سو کر اٹھا ہے اور صبح اٹھنے کے بعد کی ضروریات سے اسے ہی فارغ کرانا ہے۔



لایا آیا اور شاہدہ بیگم نے دیکھ لیا تھا، وہ جی جان سے اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ ایک اونچے پورے موکو سنبھالنا، سارا دے کر بٹھانا، ڈاکٹرز کی بتائی تدبیر سے اس کی کمر کی مالش کرنا۔ اسے خود کھانا کھلانا، یہ سب کچھ اتنا آسان تو نہیں تھا لیکن وہ اپنا فرض ادا کر رہی تھی تو وہ روز بعد انہوں نے بھی وہی سی کی تھالی۔

وہ اسے شام کی چائے پلا رہی تھی جب جتلاں نے بتایا۔

”آپ سے کوئی فرح نامی خاتون ملنے کے لیے آئی“

ہیں۔ "لوہا اچھا۔ بھلاؤ نہیں۔" اسے انہیں یاد کرنے میں
 ذرا بھی دیر نہیں لگی۔
 "کون ہے؟" اس نے رعنا کو اتنا خوش دیکھ کر پوچھا۔
 "میری بہن، وہی ہے۔"
 "وہی تو نہیں جو ایک رات اپنے میاں کے ساتھ
 نہیں چھوڑنے آئی تھیں۔"
 "میاں نہیں بھائی ہے وہ ان کا۔" چائے ختم ہو چکی
 تھی وہ اٹھ کر باہر آئی۔ فرح سے تپاک سے ملی اور بتلاں
 سے اچھی سی چائے لانے کا کہہ کر وہ کالی دیر فرح کے ساتھ
 بیٹھی رہی۔ اسے عدیل کے ساتھ ہونے والے حادثے کا
 پتہ چلا تو اس کے کمرے میں بھی جلی آئی۔ کچھ دیر حال
 انہوں نے پوچھنے کے بعد بول۔
 "آپ تو اس کیلئے بڑے بڑے ہو جاتے ہوں گے، آئندہ
 شباب کو لے کر آؤں گی وہ آپ کو بھی دے گا۔"
 اور واقعی وہ چند دنوں کے بعد شباب کے ساتھ موجود
 تھی۔ رعنا کو شباب اچھا لگا تھا کہ اس کے چہرے پر شرافت
 کا بالکل دیباہ رنگ تھا جو اس نے اپنے آپ اور پھر لیا بھائی
 کے چہرے پر دیکھا تھا۔



فرح تو اکثر جلی آتی اور اسے لینے کے لیے شباب اور
 بچوں کو آواز دیا کہ رعنا کے ساتھ باتوں میں لگ کر وہ انہیں کو
 تو بھول ہی جاتی تھی اور عدیل کا خیال تھا یہ بہن بھائی مل کر
 ڈرامہ کر رہے ہیں لیکن وہ رعنا سے صاف بات بھی نہیں
 کر سکتا تھا۔ جانتا تھا اس کے رحم و کرم پر ہے اگر وہ خفا
 ہو گئی تو بہت ہونگا بڑے گا۔
 آج پھر وہ پھر میں فرح آئی تھی رعنا نے کھانے پر بھی
 روک لیا اور بڑا دل دکا کر سب تیار کیا۔ ابھی کھانا شروع ہی
 کیا تھا کہ شباب بھی پہنچ گیا اور فرح نے اسے بھی کھانے پر
 بٹھالیا۔ حالانکہ وہ انکار کر رہا تھا لیکن جب کھانا شروع کیا تو
 ہاتھ روک نہ سکا۔ دونوں بہن بھائی اس کے سلیقے کی
 تعریف کرتے رہے۔ کھانا واقعی بہت اچھا تھا اور عدیل نے
 سوچا۔ "میں نے تو آج تک رعنا کے بنائے کھانے کی
 تعریف نہیں کی۔ حالانکہ یہ سچ ہے اس کے ہاتھ میں بہت
 ذائقہ ہے۔"
 روشنہ ان کے شیشوں سے اچانک بجلی کی چمک دکھائی

دینے لگی پھر فضا میں بارشوں کا شور مچنے لگا تو وہ دونوں
 جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شکر ہے کہ شباب گاڑی
 لے کر آیا تھا ورنہ گھر پہنچنے تک وہ انہیں بھیجے ہوتے اور یہ
 سڑاکی بارش ہلانے کے لیے توڑ توڑ میں ہوتی بارش بھی
 وہی کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
 وہ بیڈ کے قریب رکھی کر سی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی
 اور ساری توجہ بارش کے شور اور شیشے سے جھلکتی بجلی کی
 چمک پر تھی۔ جب عدیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ
 دیا۔ وہ چونکی پھر دوبارہ بول پہلے والے منظر میں محو دکھائی
 دینے لگی جیسے اس نے کچھ غموس ہی نہیں کیا۔
 "بیڈ پر آ جاؤ۔" وہ غبار کو دیکھنے میں کمرہ رہا تھا۔
 اس نے چپ چاپ حکم کی تعمیل کی۔
 "یاد ہے جب لاہور سے یہاں آئی تھیں، جنگل کا شور
 جنہیں بہت پریشان کرتا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے یاد دلایا
 تھا۔
 "اب اندر کا شور پریشان کرتا ہے۔" اس نے سپاٹ
 سے انداز میں کہا تھا۔
 "ایک تو نہیں باتیں بہت آتی ہیں یا را۔"
 "ٹھیک ہو جاؤ تو کرنا کچھ اس کا بھی طالع۔" وہ کہہ کر
 چائے پینے لگی۔
 "آج تم بہت ساری لگ رہی ہو بہت سی اچھی۔"
 اس نے بڑے انداز سے سراہ کر اس کا اثر رعنا کے چہرے پر
 تلاشنا چاہا تھا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔
 "کچھ بات بھی تو کیا کرنا پور ہو جاتا ہوں۔"
 "مہربان مل تمہارے پاس ہے یہ نیوی کار میوٹ بھی
 رکھا ہے، جب ہی چاہے استعمال کرو۔"
 "میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
 "میرے پاس تو کہنے کو کچھ نہیں اور تمہاری کسی بات کا
 مجھے اعتبار نہیں۔"
 "ایسے مت کہو رعنا اور سنو میں جتنا اس وقت جسرانی
 طور پر مقبور ہوں، اس سے کہیں زیادہ ذہنی طور پر شکست
 ہوں۔ مجھے اس وقت ایک ساتھی ایک ہمدرد کی ضرورت
 ہے۔"
 "شع کو فون کر لو ویسے بھی اس شہر میں تمہاری کافی
 جاننے والیاں موجود ہیں۔ میں کچھ جانتا نہیں رہی غلطوں
 سے مشورہ دے رہی ہوں۔ اگر نہیں یہ ڈر ہے کہ پھر میں
 تمہاری دیکھ بھال چھوڑ دوں گی تو ایسا نہیں ہو گا کہ مجھے پتہ

ہے یہ تو چاروں کے لیے جنہیں بستر لینا پڑ گیا ہے، انہوں
 کے تو وہی دن رات ہوں گے۔"
 "ایسا نہیں ہو گا۔"
 "پلیز پلیز ٹیپ ہو جاؤ یا کوئی اور بات کرو۔" وہ ایک دم
 چلا کر بولی۔
 عدیل خاموش ہو گیا تو کہنے لگی۔ "یہ میری بڑا داشت
 سے باہر ہے، مجھے تمہاری ایسی باتیں سن کر وحشت ہونے
 لگتی ہے کہ میں جانتی ہوں یہ جھوٹ ہے۔"
 "اور میں جانتا ہوں تم میرا اعتبار کرنا ہی نہیں
 چاہتیں۔"
 کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی جسے عدیل نے ہی توڑا
 اور بولا۔
 "ایک بات تو بتاؤ رعنا جنہیں مجھ میں ایسا کیا برا لگتا تھا
 جو شادی سے پہلے بھی مجھ سے کڑائی نہیں۔"
 "چھوڑو جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ اب ان دنوں کی کیا بات
 کریں جو قسمت میں لکھا تھا ہو کر رہا۔" وہ بھری بھری سی
 لگ رہی تھی۔
 بات کرتے کرتے شکست کا ایسا تاثر اس کے چہرے پر
 اتر آیا کہ قانع شرمندہ ہو کر پھر کچھ کہہ نہیں سکا۔ وہ اٹھی
 اور بیوی کو لپیٹا۔ بے متعلقہ سا رو کر کہہ رہا تھا لیکن وہ
 دھیان میں نہ تھی۔ عدیل اس کے چہرے کے آثار
 چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔
 "بہت دکھ ہے نہیں؟" یہ پوچھنا اس کے لیے کچھ
 آسان نہیں تھا اور رعنا نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔
 بھرائی ہوئی آواز میں بول۔
 "بہت بہت بہت کر رہا تھا خود کو۔ میں تو سوچ بھی
 اتنی ہی پاکیزہ رکھتی تھی پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ یہ
 پانصانی میرے جسے میں کیوں آئی؟ وہ سسکیں بھرے
 لگی پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔
 "جنہیں تم یا اس جیسی ہی ملنا چاہیے تھی تم اسی کے
 قابل تھے۔"
 عدیل چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا اور وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

 آنے والے دنوں میں وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ رعنا پہلے
 کی طرح معمول کے مطابق اس کے سارے کام نینالی
 رہی۔

عدیل کی صحت تیزی سے ٹھیک ہو رہی تھی اس عرصہ
 میں عظیم صاحب بھی آئے اور رعنا کی والدہ نے بھی شاید
 بیگم کے ساتھ چکر لگایا۔ وہ اپنی بیٹی کو ایک وفا شعار بیوی کے
 روپ میں دیکھ کر بہت خوش تھیں اور اس کی خاموشی اور
 اداسی کا مطلب عدیل کو ہی لیا تھا۔ لہذا اس کی دینی رہیں۔
 "وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ تم خوش رہا کرو اس کے
 ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کر کے اس کا دل بھلا دیا کرو۔" ایسا
 ہی ایک بار عدیل کے سامنے کہا تو وہ بولی۔
 "آپ پچھو کی شمع کو ساتھ لے آئیں عدیل کی اس
 کے ساتھ بہت اندر اسٹینڈنگ ہے۔"
 "لو بھلا۔ کیا بات کی ہے۔ ٹھیک ہے وہ کن ہے لیکن
 یہ کوئی ایسا تعلق تو نہیں ہو گا۔"
 "اچھا میں بھی شاید ہوتا ہے۔" وہ جسے سن رہی تھی وہ
 سمجھ رہا تھا۔
 کچھ دن ٹھیک کر وہ لوگ واپس چلے گئے رعنا اس روز
 عدیل کے سو جانے کے بعد کمرے میں بیٹھنے کے بجائے لمبی
 لمبی کھائیں والے بے ترتیب لان میں آئی کہ دھوپ بہت
 اچھی تھی آج اور ایسے میں جب اس نے شباب کو آتے
 دیکھا تو ایک دم سے خوش ہو گئی اور اسے خود بھی اپنی اس
 خوشی کا احساس تک نہیں ہوا۔
 "مجھے فرح آئی نے بھیجا تھا کہ وہی تھیں مجھے آپ
 کے میاں کو لپٹی رہنا چاہیے اور اگر کسی ہیسلپ کی
 ضرورت ہو تو آپ سے پوچھنا چاہیے۔"
 "نہیں نہیں بہت شکریہ۔ یہ بتائیں چائے، ہواؤں
 آپ کے لیے۔"
 "آپ کے عدیل صاحب کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔"
 "وہ تو سو رہے ہیں وہ کھٹے سے پہلے نہیں بیدار ہونے
 والے۔ اور میری بیٹھ جائیں۔"
 "شکر ہے آج دھوپ تو اچھی نکلی ہے۔"
 "ارے آپ لاہور والے تو دھوپ میں خود کھیل ہوتے
 ہیں پھر بھی آپ کو اتنی خوشی ہو رہی ہے۔"
 تب ہی بتلاں نے بگن میں عدیل کی آواز سنی وہ رعنا کو
 پکار رہا تھا۔ وہ جلدی سے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔
 "رعنا کدھر ہے؟ میں کب سے آوازیں دے رہا
 ہوں۔"
 "وہ ہی شباب صاحب آئے ہیں ان کے ساتھ لان
 میں بیٹھی ہیں۔"

خانا

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

لاہور

دسمبر 2009 کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

دسمبر 2009 کے شمارے کی ایک جھلک

☆ ادا کا درد، دل کی آواز اور کچھ "مازیلک" سے ملاقات

☆ "مستاز شب ہے زندگی" حسین اختر کا مکمل ناول

☆ "موسم گل کی دستک" فوز پرغزل کا مکمل ناول

☆ "پیارا دشت" فرحت شوکت کا ناول سلسلہ دار ناول

☆ "میرے ساحرے کو" حسین اختر کا سلسلہ دار ناول

☆ "میرے چادرے گر میرے جہان" حسین اختر کا سلسلہ دار ناول

☆ "عجب سلسلے ہیں وفا کے" سعد پائل کاشف کا سلسلہ دار ناول

☆ "میری ادا کا روشن ستارا" شاد اختر کا ناول

☆ "دھواں دھواں ہی تھا" عیدہ ہاشمی کا ناول

☆ "مشرقاں" سندس جبین، انارکلی امین، میراثر بابا اور

سہاس گل کے افسانے

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

☆ "میرا خیال ہے وہ پہلے بھی اوھر آجیگی"۔

☆ "توڑ دینا تو کبھی کون ہے"۔ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا

ہوا۔

"خانا تو وہی ہے تمہاری ملنے والیاں ہیں۔ میرا بھلا کیا

"کون ہیں؟"

"صاحب! آپ سے ملنے کے لیے کچھ بیسیاں تشریف لائی

اس کے آگے تو وہ فرح کے ہاں سے واپس آئی تو عدیل گھر آچکا

تھا اور بتولاں اسے تباہی کی گئی کہ وہ فرح کے گھر گئی ہے۔

اس کے آنے پر عدیل نے کچھ نہیں پوچھا اور اس نے خود

سے کچھ بتایا بھی نہیں۔

تھا صرف کھانا کھاتا وہ بھی بے حد خاموشی کے ساتھ۔ پھر

اپنی فائلیں دیکھنے اور کچھ کام لے کر وہ اپنے کمرے کے بعد وہ سو

جاتا۔ رات کے اب مصروفیات اور محنت کی وجہ سے وہ کچھ کام

خود کرنے لگی تھی۔ نت نئے کھانے بناتی اور فرح کے ہاں

دینے لگی جاتی۔

اس نے نہ دیکھا تو کبھی تو آؤدی تھی۔

تھا؟" اور عدیل شام کی کچھ کی خبر سن کر بھول گیا تھا کہ

"ان کی سسٹر بھی ساتھ ہیں؟"

"نہیں جی! ایک لڑکی ہی آئے ہیں۔ آپ کو کچھ چاہیے

کام؟"

"تو تو سہی۔" اور اسے آواز دلاؤ اسی بتولاں نے ٹھیک

کھا تھا۔ یہ لڑکیاں پہلے بھی ٹکی تھیں جب عدیل کا

ایک سہ ماہی ٹھیک نہیں ہوا تھا اور یہ لڑکیاں بہت دیر تک نہیں

تھیں۔

والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھیں جبکہ وہ سپاٹ

چہرے کے ساتھ اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔

"جب بھی فون کرو اٹھاتے ہی نہیں ہو" اسی لیے آج

خود آئے ہیں۔"

"ہاں بھئیو چائے بناؤں؟"

"تو اور کیا کمر آئے مہمانوں کو ایسے ہی ٹھکانے کا ارادہ

ہے؟ کچھ تو کھیں چوس۔" عدیل نے وہیں سے آواز دے

کر بتولاں سے چائے کے لیے کہا۔

"نہیں لے آتی ہوں۔" وہ جانا چاہتی تھی لیکن عدیل

نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھایا اور اب یہ منظر دیکھ کر آئے

والیوں کے پاس کرنے کو کوئی بات ہی نہیں رہی۔ چائے

آنے سے پہلے ہی وہ ایک ضروری کام یاد آجائے کا ہمانہ بنا

کر چلی گئیں۔

عدیل نے رات کی طرف دیکھا وہ یقیناً کچھ کھانا چاہتا تھا

لیکن رات کے کچھ نہیں مل سکتی تھی۔

☆ "رعا! موسم بدل رہا ہے، چلو مارکیٹ تک چلے ہیں۔

تم کچھ کپڑے خرید لو اور ہم کھانا بھی باہر کھا میں گئے۔" وہ

خوشگوار موڑ میں پروگرام ترتیب دے رہا تھا۔

"نہیں بھئی مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا۔"

نہیں ان ہی اسٹور پر اپنی کس کس چیمٹی کے ساتھ کتنی

مرتبہ گئے ہو گئے۔ لیکن مجھے بھی ان میں سے ہی

بجھیں گے۔" ایسے جواب کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔

رعا اس کی گھر آکر کے بعد جان بوجھ کر بہت مصروف

ہو جاتا کرتی تھی اس کی کوششیں یہی ہوتی تھیں جب وہ

کمرے میں جائے تو عدیل سو رہا ہو اور آج تو اس نے

بے مقصد کاموں میں بہت سی دیر لگا دی لیکن جب کمرے میں

گئی تو وہ جاگ رہا تھا۔ رعنا نے اپنا کچھ اٹھا کر بالکل بند کے

آخری سرے پر رکھا اور اس کی طرف سے آنکھیں بند

کر کے لیٹ گئی۔

"تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں رعنا؟" وہ اس کے

شام نے رہا تو رکھے کہہ رہا تھا۔

وہ کچھ سے اٹھ بیٹھی۔

"معافی؟ بڑا آسان ہے یہ کہنا مگر ان سے پوچھو جو علم

سہ سہ کر اپنے وجود سے بے زار ہو چکے ہوتے ہیں

جنہیں اپنی ہستی پر ہی شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور تب

آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے میں

تمہارے ہم اور تمہاری روح کو کچھ کے بعد شرمندہ ہوں

کہ مجھے معاف کرو۔" وہ ایسے ہی کیا معافی دے دینی

چاہیے کیا معافی دی جاسکتی ہے۔" وہ سچ رہی تھی۔ یوں

لگتا تھا۔ بولتے بولتے وہ رونے لگی اور وہ بہت قریب بیٹھا

بھی اسے چھونے لے چپ کرانے کی کوشش نہ کر سکا۔

عدیل نے مایوسی سے سوچا تھا۔ "رعا کیونکر مجھے

معاف کر سکتی ہے۔ میں جان گیا ہوں کیا حقیقت ہے

میری۔ خدا نے کچھ اس طرح مجھے سمجھایا ہے کہ رعنا! تم

میرے دل کو دیکھو، مارے شرمندگی کے پانی پانی ہو رہا ہے

اور میں تمہارے سامنے خود کو کسی حقیر کی طرح دکھانا

ہوں۔ عورت تو نہیں جو میں سمجھا تھا عورت وہی ہے

جس کی پہچان تم نے کروانے کی کوشش کی تھی۔ مزہر حال

میں اس کا قہقہہ ہے، پیدائش سے لے کر موت تک وہی

اس کی پیدائش کر رہی ہے اور کھانا ہے نہیں ہے ہی پھر

ہے۔ تم جتنا بھی دھنکادو رعنا میں بدل نہیں ہوں گا۔"

☆ ☆ ☆

صبح بتولاں ناشتے میں اس کی مدد کرانے کے لیے آئی تو

اس کے ساتھ دو بچیاں بھی تھیں 'شرمائی شرمائی' جھنجکی

ہی۔

"یہ کون ہیں؟" رعنا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری نواسیاں ہیں رات میری بیٹی اوھر آئی ہے۔"

بتولاں کے لیے میں خوشی کی بجائے ہی رنج بھی نہیں تھی۔

"نہیں ناشتا تو کراؤ۔" عدیل کہہ رہا تھا۔

"نہیں صاحب! روٹی تو کھا کر آئی ہیں۔" لیکن جب

عدیل نے انہیں ٹیبل پر آنے کو کہا تو وہ جھٹ سے

آگئیں۔ بتولاں منع کرتے لگی لیکن عدیل نے روک دیا۔

رعنا اور عدیل ناشتے کے دوران ان سے باتیں بھی

کرتے رہے اور انہوں نے دھیان نہیں دیا۔ بتولاں آج

معمول سے کچھ زیادہ خاموش تھی۔

"چلو بھئی آج ان بچیوں کی وجہ سے تمہارا دن بھی اچھا

گزر جانے کا لیکن ہانگے کی خوشیاں وہ چار دن کی ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں اپنا بندوبست خود کر لینا چاہیے۔ اس نے شرارت سے مسکرا کر کہا تھا رخصت ہو چکی ہے۔

اور واقعی اس کا دن اچھا گزرا۔ وہ بچوں کے ساتھ لان میں کھیلتی رہی۔ اس موسم میں یہاں قطیلیاں بہت آگئی تھیں۔ چھوٹی لڑکی جس کی عمر چار سال تھی ان کے پیچھے بھاگتی رہی اور رختا اس کی بھاگ دوڑ کو انجوائے کرتی رہی۔ عدیل آج معمول سے کچھ جلدی کر آیا وہ اس وقت قریب بھول رہی تھی اور کلی ہوئی سوئی بنیادیں اس کے قریب ہی رہ گئیں۔

”جلدی سے کمرے میں نکو۔“ وہ بڑے جوش سے کہہ کر کمرے کی جانب چل دیا۔

”کیا معیبت ہے جلدی سے نکو۔“ فارغ کھڑی ہوں نا میں۔“ بیڑا تلی ہوئی وہ بھی بندہ دم میں آگئی۔

”یہ تمہارے لیے ہے ہمیں نے بہت شوق سے خریدا ہے۔“ اس نے ایک پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔

”کیا ہے یہ؟“ کسی جذبہ کے بغیر اس نے تمام لیا۔

”کھول کر دیکھو کیسا ہے؟“ وہ کس دھات پر جوش کیوں ہو رہا تھا۔

رختا نے پیکٹ کھولا۔ امیر ایڈری سے بھرا ریڈ فلر کا خوبصورت سوٹ تھا۔ ریڈ فلر جو شادی کی رات انار اچھر بھی پہنا ہی نہیں تھا۔

”کیسا ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”ہوں انکی چیزوں کی شاپنگ کا تو تمہارا اخصا تجربہ ہے نا؟“ اور عدیل کی مسکراہٹ محض وہ تھی۔ پیکٹ لٹاری میں رکھ کر وہ پھر کچن میں آگئی۔

”جی میں عدیل نے پھر بچوں کو بلوایا۔“

”ان کی ماں کو حشر ہے ماسی! میں نے اسے نہیں دیکھا۔“ رختا نے پوچھا۔

”گھر میں بڑی ہے“ دیکھوں کی ماری۔“ بتولاس نے آہ بھری۔

”کیا مطلب؟ کیا ہوا ہے اس کے ساتھ؟“

”جس جی کیا تھا ان دنوں یہاں ہیں“ تیسری انجی چند روز کی ہے۔ گھر والا کہتا ہے مجھے بیٹیاں نہیں چاہئیں تو ہے کہ

لاکن لگائے چلی جا رہی ہے“ اسی لیے تو ماں باپ کے در پر چھڑ گیا ہے۔ پتا علم کرنا ہے جی میری بیٹی پر۔ گھر بسائے گئے ہے سب سستی رہی ہے لیکن ظالم نے بہت بھی

پھینکی ہے۔“

بتولاس مسکاتے گئی۔

”کہہ عمر ہو نا ہے وہ؟“ عدیل نے پوچھا۔

”تھوڑی دیر گزری ہے جی اس کا۔“

”میں ڈرا نیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے تم اٹھ کر

کو ساتھ کر دو۔ اسے کو اپنے والد کو لے کر آئے۔“

موسم خزاں بدل گیا تھا“ اسی لیے طبیعت میں سستی ہو رہی تھی“ لچ کے بعد وہ لپٹی اور سو گئی چونکہ وہاں میں

سوئے کی عادت نہیں تھی۔ سو ایک گھنٹے بعد آنکھ کھل گئی۔ وہ لپٹی نہیں اٹھ کر کارڈر میں آگئی اور تب ہی اس

نے عدیل کی آواز سنی۔

”شریف! کر دار بیوی نعمت ہوتی ہے اور جی تو یہ ہے کہ

عورت تو پاکہ دار ہی ہوا کرتی ہے۔ اسے ور غلامنے والا مہو

ہے۔ اس کی ہوس عورت کو کچھ سے کچھ ہٹاتی ہے۔ قدر

کر د اپنی بیوی کی“ یہ بیٹیاں آتما کش نہیں“ انعام ہیں۔ ان کی حفاظت کرنا ان سے محبت کرنا اور ان کی عزت کرنا

تمہارا فرض ہے“ دل بھرا موانگی کے غور میں تم ہو کچھ

کر رہے ہو گی یا یہ کسی مرد کو نہ بہن ہے؟“

اس نے دیکھا“ دل بھرا (بتولاس کا والد) اس کے سامنے

سر جھکا کر کہا تھا۔ وہ اچھے کپڑوں میں طویں تھا اور کچھ

چھٹا تھا بھی لگا تھا۔

”جی میں میری بات کا جب ایک شریف عورت

تمہاری زندگی میں نہیں رہے گی تو کچھ بھی بلی نہیں رہے

گا۔ مٹا کر لے جاؤ اپنی بیوی کو اور پھر کبھی اسے ناراض

مت کرنا۔“

”جی صاحب! ٹھیک ہے صاحب!“ دل بھرا نے کہا تھا اور

رختا واپس کمرے میں چلت آئی۔

کچھ دیر بعد عدیل کمرے میں آیا اور ٹھٹک گیا۔ وہ اس کا

لایا ہوا ریڈ سوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی بہت دنوں بعد

لب لٹک گیا رہی تھی۔ اسے دیکھا تو مسکرائی اور بولی۔

”آج ہم رات کا کھانا باہر کھائیں گے اور مجھے کچھ

شاپنگ بھی کرنا ہے۔“

بارے حیرت کے وہ کچھ بول نہیں سکا مگر اسے پوچھا تو

تھا کیا کیوں پلٹ گئی کہ نہیں جانتا تھا عورت کا دل پتھر کا

نہیں“ موسم کا ہے۔ سو کا کر دار اس کی محبت“ اس کی

دھاری اسے کبھی بھی رقت کسی بھی وہاں میں اعمال دیتی

ہے۔ جیسے عدیل کے بدلتے خیال نے اسے بھی بدل دیا تھا۔

پہلے صرف نر خور اس کا تھا“ اب دل اور دماغ بھی عدیل کی

ہو گئی تھی۔